Globethics Repository

Iqtisadiyat islam: Tashkil jadid (Islamic economics: New construct) PART 5

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-09 19:40:21
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188554

بابِ ہفتم

اَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○

(الواقعہ، ۵۶: ۶۳، ۶۴)

زمین، زراعت اور مزارعت

www.MinhajBooks.com

زمین (LAND)

تعریف

زمین سے مراد ''سطحِ زمین'' یا ''قشر الارض'' ہے۔ اس میں وہ تمام قدرتی وسائل اور عطیاتِ خداوندی شامل ہیں جن پر محنت کر کے انسان اپنی گزر بسر کا سامان حاصل کرتا ہے۔

زمین رقبہ ہے جس میں باری تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی منفعت کے بے شمار مواقع، اسباب اور وسائل مہیا فرما دیئے ہیں۔ یہ قدرت کا بہترین عطیہ ہے جس میں کسی فرد، قوم یا ملت کی محنت، تنظیمِ کار یا جدوجہد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ربِ کریم کا عطا کردہ یہ فرشِ عظیم خلقِ خدا کے لئے حصولِ رزق اور رہائش کا سب سے بڑا اور منفرد ذریعہ ہے۔

اَہمیتِ زمین

زمین سے انسان کی دو بڑی بنیادی اغراض وابستہ ہیں ایک کاشتکاری یا زراعت اور دوسری رہائش یا سکونت، انسان کو اس کی اہمیت سے روشناس کرانے کے لئے قرآن مجید میں واضح آیات موجود ہیں مثلاً:

۱۔ اَللهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا.(۱)

''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا۔''

۲۔ وَاللهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo(۲)

---

(۱) المؤمن، ۴۰: ۶۴

(۲) نوح، ۷۱: ۱۹

’’اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیاo‘‘

۳۔ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًاo[۱]

’’کیا ہم نے زمین کو (زندگی کے) قیام اورکسب وعمل کی جگہ نہیں بنایا؟o‘‘

۴۔ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَکَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰیo[۲]

’’وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور اس میں تمہارے (سفر کرنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) انواع و اقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دیئےo‘‘

۵۔ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡo[۳]

’’اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (گولائی کے باوجود) بچھائی گئی ہے؟o‘‘

۶۔ وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَo[۴]

www.MinhajBooks.com

(۱) النبا، ۷۸: ۶

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۵۳

(۳) الغاشیۃ، ۸۸: ۲۰

(۴) الرعد، ۱۳: ۴

''اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، جھنڈ دار اور بغیر جھنڈ کے، ان (سب) کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشتے ہیں، بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیںo''

۷۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَo(۱)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo''

۸۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَo(۲)

''اور اسی نے زمین میں (مختلف مادوں کو باہم ملا کر) بھاری پہاڑ بنا دیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) تمہیں لے کر کانپنے لگے اور نہریں اور (قدرتی) راستے (بھی) بنائے تاکہ تم (منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پا سکوo''

۹۔ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ط وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَo(۳)

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) النحل، ۱۶: ۱۵

(۳) الرعد، ۱۳: ۳

''اور وہی ہے جس نے (گولائی کے باوجود) زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور ہر قسم کے پھلوں میں (بھی) اس نے دو دو (جنسوں کے) جوڑے بنائے (وہی) رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے، بیشک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے (بہت) نشانیاں ہیںo''

۱۰۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍo(۱)

''اور (اِسی طرح) ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے بہت بھاری پہاڑ رکھے اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوشنما پودے اُگائےo''

۱۱۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ...... وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ.(۲)

''اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا تو وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں ...... اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔''

۱۲۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَo(۳)

(۱) ق، ۵۰:۷

(۲) الرعد، ۱۳:۱۷

(۳) البقرۃ، ۲:۱۶۴

’’بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں○‘‘

۱۳۔ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ○ (۱)

’’اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے○‘‘

۱۴۔ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (۲)

’’جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے (انواع و

---

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۳۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۲

اقسام کے) پھل پیدا کئے، پس تم اللہ کے لئے شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم (حقیقتِ حال) جانتے ہوo‘‘

۱۵۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَo(۱)

’’وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان کی جانب سے پانی اتارا، اس میں سے (کچھ) پینے کا ہے اور اسی میں سے (کچھ) شجر کاری کا ہے (جس سے نباتات، سبزے اور چراگاہیں اُگتی ہیں) جن میں تم (اپنے مویشی) چراتے ہوo‘‘

۱۶۔ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَo(۲)

’’آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتےo‘‘

۱۷۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰیo(۳)

’’(پس) جو کچھ آسمانوں (کی بالائی نوری کائناتوں اور خلائی مادی کائناتوں) میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (فضائی اور ہوائی کرّوں میں) ہے اور جو کچھ سطحِ ارضی کے نیچے آخری تہہ تک ہے سب اسی کے (نظام اور قدرت کے تابع) ہیںo‘‘

---

(۱) النحل، ۱۶: ۱۰

(۲) المنافقون، ۶۳: ۷

(۳) طٰہٰ، ۲۰: ۶

۱۸۔ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًاط وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُO(۱)

’’وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے، اور نصیحت صرف وہی قبول کرتا ہے جو رجوع (الی اللہ) میں رہتا ہےO‘‘

۱۹۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَO(۲)

’’اور آسمان میں تمہارا رزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہےO‘‘

۲۰۔ وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَO(۳)

’’اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں پھر ہم آسمان کی جانب سے پانی اتارتے ہیں پھر ہم اسے تم ہی کو پلاتے ہیں اور تم اس کے خزانے رکھنے والے نہیں ہوO‘‘

۲۱۔ اَللهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖج فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَO(۴)

’’اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس (بادل)

(۱) المؤمن، ۴۰: ۱۳
(۲) الذاریات، ۵۱: ۲۲
(۳) الحجر، ۱۵: ۲۲
(۴) الروم، ۳۰: ۴۸

کو فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے (متفرق) ٹکڑے (کر کے تہ بہ تہ) کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے پھر جب اس (بارش) کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیںo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی حوالہ جات کے علاوہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں بھی قرارِ واقعی انداز میں زمین، زراعت اور مسئلۂ ملکیتِ زمین بیان ہوا ہے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

زمین بحیثیت عاملِ پیدائش (Land as a factor of production)

مذکورہ بالا قرآنی حوالہ جات سے ایک طرف تو حیاتِ انسانی میں زمین کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور دوسری طرف زمین کا عاملینِ پیدائش میں بنیادی عامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ عاملینِ پیدائش میں محنت اور سرمایہ بھی اہم ہیں لیکن زمین کے وجود کے بغیر ان دونوں (محنت و سرمایہ) کا تصور ہی غیر ممکن ہے اس طرح زمین عاملینِ پیدائش میں اوّل ترین درجہ رکھتی ہے۔

اَقسامِ اَراضی

شریعتِ اسلامی (جس میں تمام مذاہب کے فقہاء شامل ہیں) میں زمین کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

(ا) اراضی مملکت

یہ وہ زمینیں ہیں جو ریاست کی ملکیت میں ہوتی ہیں۔

(۲) اراضی وقف

وہ زمینیں جو رفاعِ عامہ کے لئے وقف کر دی گئی ہوں۔

(۳) اراضی موات

وہ غیر آباد اور بنجر زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں۔

(۴) اراضی متروکہ

مصالح عامۃ الناس کے لئے چھوڑی گئی زمینیں متروکہ املاک میں شمار کی جاتی ہیں ان میں خاص طور پر اراضی برائے قبرستان، پارک، کھیل کے میدان وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) اراضی مملوکہ

وہ زمین جسے کوئی شخص آباد کر کے اپنی ملکیت بنا لے مملوکہ اراضی کہلاتی ہے۔

ملکیتِ زمین کے احکام

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انفرادی حقوق و فرائض میں اعتدال ہی اجتماعی امور کے لئے بہترین کفیل ہے۔ اسی لئے اسلام کلیتًا انفرادی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ قوانینِ فطرت کی مطابقت کے ساتھ ساتھ ایک جانب زمین اور وسائلِ پیداوار میں انفرادی ملکیت کو ایک حد تک جائز قرار دیتا ہے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیشِ نظر اس پر ایسی قیود کی نشاندہی کرتا ہے جو انفرادی ملکیت میں توازن و اعتدال قائم رکھ سکیں۔ مسئلۂ ملکیتِ زمین کے ضمن میں اسلام نے واضح نظریات پیش کئے ہیں جن کی وضاحت حسبِ ذیل ہے:

(۱) اسلام قبول کرنے والے لوگ

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے افراد جن املاک کے مالک تھے وہ انہی کی ملکیت میں رہیں گی یہی آپ ﷺ کا اصول مبارک تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن القوم إذا أسلموا أحرزوا دمائهم وأموالهم.[1]

’’جب لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا اصول فرد کی منقولہ و غیر منقولہ اور قدیمی جائیدادوں پر لاگو ہوگا۔ اسی قانون کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فإن دماءهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم فلهم وكذلک أرضوهم لهم وهي الأرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله ﷺ وكانت أرضهم أرض عشر، وكذلک الطائف والبحران، وكذلک أهل البادية إذ أسلموا على مياههم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو في أيديهم وليس لأحد من أهل القبائل أن يبني في ذلک شيئًا يستحق به منه شيئًا، ولا يحفر فيه بئرًا يستحق به شيئًا، وليس لهم أن يمنعوا الكلأ ولا يمنعوا الرعاء ولا المواشي من الماء ولا حافراً ولا خفافي تلک البلدة، وأرضهم أرض عشر ولا يخرجون عنها فيها بعد ويتوارثونها ويتبايعونها وكذلک كل بلاد أسلم عليها أهلها فهي لهم وما فيها.[2]

’’جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے۔ (قبولِ اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہوں) وہ انہی کی ملک رہیں گے اسی طرح ان کی زمینیں

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۵، رقم: ۳۰۶۷

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۸۵، رقم: ۱۶۷۳

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۶۸

بھی ان ہی کی ملک رہیں گی اور وہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان پر عشر لگا دیا گیا۔ ایسا ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے بھی کیا گیا۔ اسی طرح بدوؤں میں سے بھی جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں کے مالک تسلیم کئے گئے، اور اہلِ قبائل میں سے کوئی بھی اس زمین میں ایسی عمارت نہیں بنا سکتا جس سے اس کا استحقاق ثابت ہو اور نہ ہی کوئی ایسا کنواں کھود سکتا ہے جس سے اس کا استحقاق ثابت ہو اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کھیتوں میں جانوروں کو چرنے سے منع کریں۔ جانوروں کو پانی پینے سے روکنا، کنواں کھودنے سے منع کرنا اور چرمہ بیچنے والوں کو منع کرنا بھی (ان کے لئے جائز نہیں) ان کی زمین عشری زمین ہے وہ اس سے بے دخل نہیں کئے جا سکتے اور انہیں اس پر بیع اور وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہیں بالکل اسی طرح جن علاقوں کے باشندے اسلام قبول کر لیں وہ اپنی املاک کے مالک رہیں گے۔‘‘

اسی امر کو ابن القیم (۶۷۱۔۷۵۱ھ) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

كان هديه أن من أسلم على شيء في يده، فهو له، ولم ينظر إلى سببه قبل الإسلام، بل يقره في يده كما كان قبل الإسلام. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لانے کے وقت جس چیز پر قابض تھا وہ اسی کے قبضے میں رہنے دی گئی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضے میں آئی تھی بلکہ وہ اس کے ہاتھ میں اسی طرح رہنے دی گئی جس طرح وہ پہلے سے چلی آ رہی تھی۔‘‘

(۱) ابن قیم، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳: ۱۱۵

(۲) معاہدہ کرنے والے لوگ

وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہیں لیکن اپنے آپ کو کسی معاہدہ کے تحت اسلامی حکومت کی مطابقت میں دے دیں تو ایسے افراد کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **ألا من ظلم معاهداً أو انتقصه أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئًا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة.**(۱)

''خبردار رہو جو شخص کسی معاہد ذمی پر ظلم کرے گا یا ازروئے معاہدہ اس کے جو حقوق ہوں ان کے اندر کوئی کمی کرے یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا تو اس کے خلاف میں خود قیامت کے روز مدعی بنوں گا۔''

۲۔ ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لعلكم تقاتلون قوماً فتظهرون عليهم فيتقونكم بأموالهم دون أنفسهم وأبنائهم، قال سعيد في حديثه، فيصالحونكم على صلح فلا تصيبوا منهم شيئًا فوق ذلك فإنه لا يصلح لكم.(۲)

''اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آ کر

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۰۵، رقم: ۱۸۷۳۱

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۱
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۰۴، رقم: ۱۸۷۲۰

اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کے لئے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں (ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے) کہا کہ تم صلح کر لو تو ایسی صورت میں زائد کچھ نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔‘‘

امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) مذکورہ بالا احادیث کی وضاحت میں رقمطراز ہیں:

أیما قوم من أھل الشرک صالحھم الإمام علی أن ینزلوا علی الحکم والقسم وأن یؤدوا الخراج فھم أھل ذمة وأرضھم أرض خراج ویؤخذ منھم ما صولحوا علیه ویوفی لھم ولا یزاد علیھم. (۱)

’’غیر مسلموں کی جس قوم کی اس بات پر امام کے ساتھ صلح ہو جائے کہ وہ مطیع ہو جائیں گے اور خراج ادا کریں گے تو وہ اہل الذمہ (ذمی) ہیں ان کی اراضی اراضئ خراج ہے ان سے بس وہی کچھ لیا جائے گا جس پر ان سے صلح ہوئی ہے ان کے ساتھ پورا عہد کیا جائے گا اور ان پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے گا۔‘‘

تاریخ شاہد ہے کہ مذکورہ بالا اصول کے تحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران، ہجر، ایلہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے ساتھ صلح کی تھی انہیں ان کی زمینوں، جائیدادوں، صنعتی اور تجارتی یونٹوں پر بدستور بحال رکھا۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی اسی روش کو اپنایا۔

(۳) وہ لوگ جو بذریعہ جنگ مغلوب ہوئے

جہادِ اسلامی کے تحت کچھ علاقے اسلامی ریاست کی تحویل میں آئے، یہاں کے باشندگان کی اراضی کے ضمن میں درج ذیل تین طرز ہائے عمل اختیار کئے گئے۔ آج بھی یہ اصول وضوابط کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی تنفیذ وعمل عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلافتِ

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۶۸

راشدہ سے ثابت ہے۔

۱۔ پہلا طرزِ عمل جو حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اختیار فرمایا یعنی مفتوحین و معتوبین کو جان و مال کی معافی دی اور انہیں ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر بدستور مالک رہنے دیا البتہ قبولِ اسلام کے بعد ان کی زمینیں عشری زمین قرار دی گئیں۔

۲۔ دوسرا طرزِ عمل فتح خیبر کے موقع پر سامنے آیا کہ جس میں آپ ﷺ نے خیبر میں مفتوحہ علاقے کو مالِ غنیمت قرار دیا اس صورت میں سابقہ مالکان کی ملکیت ساقط کر دی گئی اور اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

کتاب الاموال میں ابوعبید القاسم بن سلام (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فحکم رسول اللہ ﷺ في خیبر، وذلک أنه جعلها غنیمة، فخمسها، وقسمها. (۱)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر (کی زمین کے بارے میں) فیصلہ فرمایا اور وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس (زمین) کو مالِ غنیمت قرار دیا، پھر اس میں سے خمس نکالا اور (باقی زمین) تقسیم فرما دی۔“

۳۔ تیسرا طرزِ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ملتا ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے شام، عراق اور بعد ازاں تمام مفتوحہ علاقوں کی زمینیں حکومت کی تحویل میں رہنے دیں اور ان سے حاصل شدہ آمدنی عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دی گئی۔

ابوعبید القاسم بن سلام (م۲۲۴ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

(۱) أبو عبید، کتاب الأموال: ۷۵، رقم: ۱۵۳

فانظر ما أجلبوا به عليک في العسکر، من کراع أومال، فاقسمه بين من حضر من المسلمين، واترک الأرضين والأنهار لعمالها، ليکون ذلک في أعطيات المسلمين.(۱)

’’دیکھو کہ لشکر مال و مویشی (منقولہ مال) میں سے جو کچھ تمہارے پاس لایا ہے اس (مال) کو مسلمانوں میں سے جو (جہاد میں) حاضر ہوئے تھے ان میں تقسیم کر دو اور زمینوں اور نہروں (یعنی غیر منقولہ مال) کو ان کے عمال کے پاس ہی چھوڑ دو تاکہ مسلمانوں کے لئے عطیات ثابت ہوں۔‘‘

اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی جس قدر ممالک فتح کئے گئے ان کی اراضی کا انتظام و انصرام زیادہ تر حکومتِ وقت ہی کے ہاتھ میں رہا اور ان سے حاصل شدہ آمدنی سرحدوں کی حفاظت، اسلامی لشکروں کی ضروریات، شہروں کے انتظامی امور، مسلمانوں کی حاجات، غرباء و مساکین اور ناداروں وغیرہ کی مدد کے لئے وقف کر دی گئی۔

موات، خالصہ اور اقطاع زمینیں

فقہ اسلامی میں دور افتادہ زمینیں جن کا کوئی مالک یا دعویدار نہ ہو یا موسمی تغیر و تبدل سے دلدلوں، جھاڑیوں وغیرہ میں تبدیل ہو کر اپنی افادیت و اہمیت کھو بیٹھی ہوں ’’موات زمینیں‘‘ کہلاتی ہیں۔

اسی طرح مختلف وجوہ کی بناء پر جو زمینیں سرکاری تحویل میں آئی ہوں ’’خالصہ زمینیں‘‘ کہلاتی ہیں اس قسم کی اراضی کی دس اقسام امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اور ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔

جو زمینیں حکومت ان افراد کو جنہوں نے ملک و قوم کے لئے کارہائے نمایاں

(۱) أبو عبيد، کتاب الأموال: ۷۴، رقم: ۱۵۰

سرانجام دیئے ہوں یا ان کی ملی خدمات، حسنِ کارکردگی اور جذبۂ خدمت کو سراہتے ہوئے بطور انعام عطیہ کرتی ہے ’’اقطاع زمینیں‘‘ کہلاتی ہیں۔ پس منظر میں اس امر کا مقصد بھی زمین کی آباد کاری اور زراعت کی افزائش ہوتا ہے۔ طریقۂ اقطاع سے متعلق اصول قوانین اور دیگر شرائط فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

اراضی موات کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ

احادیثِ نبوی ﷺ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو بھی کسی مردہ زمین کو آباد کرتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

۱۔ عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: من أحيا أرضاً ميتة فهي له.(۱)

’’حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا وہ زمین اسی کی ہے۔‘‘

۲۔ عن عائشة عن النبي ﷺ قال: من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.(۲)

’’حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو تو وہ (آباد کار) ہی اس

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۴، رقم: ۵۷۵۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

زمین کا زیادہ حقدار ہے۔‘‘

۳۔ عن طاوس قال: قال رسول الله ﷺ: عادي الأرض لله وللرسول ثم لكم من بعد فمن أحيا أرضاً ميتة فهي له، وليس لمحتجر حق بعد ثلاث سنين.(۱)

’’طاؤس کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: غیر مملوکہ زمین جس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو خدا اور رسول ﷺ کی ہے پھر اس کے بعد تمہارے لئے ہے پس جو کوئی مردہ زمین کو زندہ کر لے وہ اسی کی ہے اور بیکار روک رکھنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔‘‘

اَراضی خالصہ کے بارے میں طرزِ عمل

بحقِ سرکار زمینوں کی تقسیم و عطیہ کے ضمن میں عہدِ رسالت مآب ﷺ سے بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بہت سے قطعاتِ زمین مختلف اصحاب کو عطا فرمائے جن میں سے چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ عن علقمة بن وائل عن أبيه أن النبي ﷺ أقطعه أرضاً بحضرموت.(۲)

’’حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۷۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۳، رقم: ۱۱۵۶۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما ذكر في المزارعة، ۳: ۶۶۵، رقم: ۱۳۸۱

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۳، رقم: ۳۰۵۸

نے ان کو حضرموت میں کچھ زمین عطا کی تھی۔‘‘

۲۔ عن عروة أن عبد الرحمن بن عوف قال: أقطعني رسول الله ﷺ وعمر بن الخطاب أرض كذا وكذا.(۱)

’’حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چند زمینیں عطا فرمائی تھیں۔‘‘

۳۔ عن أسماء بنت أبي بكر أن رسول الله ﷺ أقطع الزبير نخلًا.(۲)

’’حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے (ان کے شوہر) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا ایک قطعہ عطا فرمایا۔‘‘

عہدِ رسالت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اراضی موات و خالصہ کے بارے میں مذکورہ بالا طرزِ عمل ہی اپنائے رکھا۔

اراضی کے حقِ ملکیت پر انتباہ

ملکیتِ زمین کے بارے میں اسلام نے بڑا حساس رویہ اختیار کیا ہے۔ اس ضمن میں ظلم و جبر، غصب اور جھوٹے دعوؤں کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۲، رقم: ۱۶۷۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۲۴

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۶، رقم: ۳۰۶۹

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۴: ۸۲، رقم: ۲۱۵

من أخذ شبرًا من الأرض ظلمًا فإنه يطوقه إلى سبع أرضين.(۱)

''جس شخص نے بالشت بھر زمین بھی ازراہ ظلم لے لی اس کی گردن میں سات تہوں تک اسی زمین کو طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ليس لعرق ظالم حق.(۲)

''دوسرے کی زمین میں بلا استحقاق آبادکاری کرنے والے کے لئے کوئی حق نہیں ہے۔''

۳۔ کتبِ حدیث میں العرق الظالم کا درج ذیل معنی بیان ہوا ہے:

العرق الظالم: أن يغرس الرجل في أرض غيره فيستحقها بذلک.(۳)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع الأرضين، ۳: ۱۱۶۸، رقم: ۳۰۲۶

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، ۳: ۱۲۳۱، رقم: ۱۶۱۰

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما ذکر في إحياء أرض الموات، ۳: ۶۶۲، رقم: ۱۳۷۸

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۷۵، رقم: ۶۸۷۷

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۹، رقم: ۳۰۷۸

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما ذکر في إحياء أرض الموات، ۳: ۶۶۲، رقم: ۱۳۷۸

’’ظالم لوگ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں (بلا اجازت) درخت لگائے پھر درخت لگا کر اس زمین پر اپنی حیثیت (قبضہ) ظاہر کرے۔‘‘

۴۔ رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء وله نفقته. (۱)

’’جس نے دوسرے لوگوں کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کی وہ اس کھیتی پر تو کوئی حق نہیں رکھتا البتہ اس کا خرچ اسے دلوایا جائے گا۔‘‘

۵۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إن رجلين اختصما إلى رسول الله ﷺ غرس أحدهما نخلًا في أرض الآخر فقضى لصاحب الأرض بأرضه وأمر صاحب النخل أن يخرج نخله منها. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک مقدمہ پیش کیا گیا جس میں کسی شخص نے ایک انصاری کی زمین پر بغیر اس کی اجازت کے کچھ کھجور کے

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما جاء فيمن زرع في أرض قوم بغير إذنهم، ۳: ۶۴۸، رقم: ۱۳۶۶

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها، ۳: ۲۶۱، رقم: ۳۴۰۳

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۴

۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۶: ۹۹، رقم: ۱۱۳۱۹

درختوں کی کاشت شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ یہ درخت اکھاڑ دیئے جائیں اور زمین اصل مالک کے حوالے کر دی جائے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

زراعت (AGRICULTURE)

اِنسانی زندگی کا ایک شعبہ زراعت بھی ہے۔ جس کا آغاز ہی سے انسان کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ زراعت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اس روئے زمین پر انسان کی، اسلام میں اس پیشہ کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا گیا ہے۔ حیاتِ انسانی میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ ان کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے:

۱۔ أحدثک عن آدم أنه کان حراثًا.(۱)

''میں تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔''

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی زراعت کے پیشے سے منسلک رہے ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

وأحدثک عن إبراهيم أنه کان عبدًا زراعًا.(۲)

''اور میں تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کاشتکاری کیا کرتے تھے۔''

۳۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی میں ایک مقام پر کاشتکاری کی۔ علامہ سرخسی (م ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء) نقل کرتے ہیں:

وازدرع رسول الله ﷺ بالجرف.(۳)

''اور رسول اللہ ﷺ نے خود مقامِ جرف میں کاشتکاری کی ہے۔''

(۱) حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۶۵۲، رقم: ۴۱۶۵

(۲) حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۶۵۲، رقم: ۴۱۶۵

(۳) سرخسي، المبسوط، ۲۳: ۲

۱۔ قرآن مجید میں اَہمیتِ زراعت

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر زمین اور کاشتکاری کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ط كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۱)

’’اور (اس نے) باربرداری کرنے والے (بلند قامت) چوپائے اور زمین پر (ذبح کے لئے یا چھوٹے قد کے باعث) بچھنے والے (مویشی پیدا فرمائے) تم اس (رزق) میں سے (بھی بطریق ذبح) کھایا کرو جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے اور شیطان کے راستوں پر نہ چلا کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○‘‘

۲۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۲)

’’اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی جس سے ہم اوپر تلے پیوستہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (بھی پیدا کئے جو کئی اعتبارات سے) آپس میں ایک جیسے (لگتے) ہیں اور (پھل، ذائقے اور تاثیرات) جداگانہ ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۲
(۲) الانعام، ۶: ۹۹

(بھی دیکھو)، بیشک ان میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیںo"

۳۔ يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَo(۱)

"اُسی پانی سے تمہارے لئے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل (اور میوے) اگاتا ہے، بیشک اِس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہےo"

۴۔ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَo ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَo لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَo اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَo بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَo(۲)

"بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہو گئےo"

۵۔ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤo اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّاo ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّاo فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّاo وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًاo وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا o وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا o وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا o مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡo(۳)

"پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)o بیشک ہم

(۱) النحل، ۱۶: ۱۱

(۲) الواقعۃ، ۵۶: ۶۳۔ ۶۷

(۳) عبس، ۸۰: ۲۴۔ ۳۲

نے خوب زور سے پانی برسایا٥ پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا٥ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا٥ اور انگور اور ترکاری٥ اور زیتون اور کھجور٥ اور گھنے گھنے باغات٥ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ٥ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)٥‘‘

۶۔ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ م بَهِيْجٍ٥[۱]

’’اور تو زمین کو بالکل خشک (مُردہ) دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اس میں تازگی و شادابی کی جنبش آ جاتی ہے اور وہ پھولنے بڑھنے لگتی ہے اور خوشنما نباتات میں سے ہر نوع کے جوڑے اگاتی ہے٥‘‘

۷۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ٥ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ٥ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا.[۲]

’’اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا پھر ہم نے اس سے باغات اُگائے اور کھیتوں کا غلّہ (بھی)٥ اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں٥ (یہ سب کچھ اپنے) بندوں کی روزی کے لئے (کیا) اور ہم نے اس (پانی) سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔‘‘

۲۔ اَحادیثِ نبوی ﷺ میں اَہمیتِ زراعت

ذیل میں زراعت و مزاعت کے بارے میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں:

---

(۱) الحج، ۲۲: ۵

(۲) ق، ۵۰: ۹۔ ۱۱

۱۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.[۱]

''رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔''

۲۔ عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ما من مسلم يغرس غرسًا أو يزرع زرعًا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة.[۲]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے جانور یا انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس (مؤمن) کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔''

۳۔ ما من رجل يغرس غرسًا إلا كتب الله عزوجل له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغرس.[۳]

''جس شخص نے کوئی درخت لگایا تو اللہ رب العزت اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لئے اجر لکھ دیتا ہے۔''

---

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۵
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ۳: ۱۱۸۹، رقم: ۱۵۵۳

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۵، رقم: ۲۳۵۶۷
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۷، رقم: ۶۲۶۶

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب کسی لشکر کو مدینہ سے باہر روانہ فرماتے تو ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ کسی کھیتی کو تلف نہ کرنا۔ اسی لئے غزوہ بنی نضیر کے علاوہ کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں مسلمانوں نے درختوں کو نقصان پہنچایا ہو اور اس میں بھی صرف وہی درخت کاٹے گئے جو غذائی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہوتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ حرق نخل بني نضير وقطع وهي البويرة. (۱)

”حضور اکرم ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے ایسے درختوں کو جلا دیا اور کاٹ دیا جو کہ (غذائی لحاظ سے) خشک ہو چکے تھے۔“

۵۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی زراعت کی اہمیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف لشکر بھیجا تو ان کو جو ہدایات دیں ان میں سے ایک یہ تھی:

لا تقطعن شجرًا مثمرًا. (۲)

”پھل دار درختوں کو ہرگز نہ کاٹنا۔“

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب ما قطعتم من لينة نخلة ما لم تكن عجوة أو برنية، ۴: ۱۸۵۲، رقم: ۴۶۰۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد و السير، باب جواز قطع أشجار الكفار وتحريقها، ۳: ۱۳۶۵، رقم: ۱۷۴۶

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب السير، باب في التحريق والتخريب، ۴: ۱۲۲، رقم: ۱۵۵۲

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ۲: ۴۴۷، رقم: ۹۶۵

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب السير، باب في التحريق والتخريب، ۴: ←

۶۔ اگر فوجی نقل وحمل سے کسی فصل کو نقصان پہنچتا تو اس کی ادائیگی بیت المال سے کی جاتی تھی۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أتی عمر رجل فقال: یا أمیر المؤمنین زرعت زرعاً فمرّ به جیش من أهل الشام فأفسدوه. قال: فعوضه عشرة آلاف.[1]

''ایک کاشتکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیرالمؤمنین! میں نے کھیتی بوئی تھی۔ شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے کھیتی کو پامال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے۔''

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد زرعی اصلاحات کیں۔

فی زمانہ کوئی بھی ذی شعور زراعت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ تمام اقوام کی تاریخ میں یہ حقیقت مشترک ہے کہ کوئی بھی ملک زراعت کو ترقی دیئے بغیر ترقی اور خوشحالی کی منازل کو نہیں چھو سکتا۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں زراعت اور کاشتکار ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ دونوں کی ترقی وخوشحالی ملکی معاشی ترقی وخوشحالی کی ضامن ہوتی ہے۔ زراعت سے صنعت وتجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔ اس طرح صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بھی زراعت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے زراعت کے شعبہ کو نظرانداز کیا وہ خاطر خواہ ترقی نہ کر سکیں بلکہ تنزل، بدحالی،

------ ۱۲۲، رقم: ۱۵۵۲

۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۴۸۳، رقم: ۳۳۱۲۱

۴۔ مالك، المدونة الکبری، ۳: ۷

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۹

بھوک اور بدامنی کا شکار رہیں۔ شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں:

فإنّهم إن كان أكثرهم مكتسبين بالصناعات والسياسية البلدة والقليل منهم مكتسبين بالرعي والزراعة فسد حالهم في الدنيا.(۱)

’’اگر کسی شہر کے باشندے کثرت کے ساتھ صنعتوں اور ملکی سیاست میں مشغول ہو جائیں اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مویشی چرانے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی۔‘‘

مذکورہ بالا اہمیتِ زراعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اکثر فقہاء نے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور عمل مبارک کے تحت زراعت کے پیشے کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے مثلاً عبد الرحمٰن الجزیری (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲۔۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

أما الزرع في ذاته سواء كان مشاركة أو لا فهو فرض كفاية لاحتياج الإنسان والحيوان إليه.(۲)

’’جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے، اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں۔‘‘

ایک غلط فہمی کا ازالہ

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ کسی جنگی مہم سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک مقام پر آپ ﷺ نے ہل اور کھیتی باڑی کے دوسرے آلات دیکھ کر ناپسندیدگی کا

(۱) شاہ ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۵
(۲) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۳: ۱۲

اظہار فرمایا۔ صحیح بخاری میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

عن أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ قال: ورأى سكّة وشيئًا من آلة الحرث، فقال: سمعت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: لا يدخل هذا بيت قوم إلا أدخله الله الذل. (۱)

’’حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ ہل اور کھیتی کے بعض دوسرے آلات دیکھے تو فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہو جاتے ہیں اس گھر میں ذلت کو داخل کر دیا جاتا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدم جواز زراعت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ زراعت کو بطور پیشہ اپنانا موجبِ تنزل اور پستی ہے یا پھر زراعت ایک ایسا وسیلۂ معاش ہے جس کو اختیار کرنے والا ذلت اور پستی کا شکار ہوگا۔ اس طرح یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زراعت کو مستحسن نظروں سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اس ضمن میں شروع سے علماء اور فقہائے اسلام نے مذکورہ حدیث کی صحیح توجیہہ اور حقیقی مفاہیم پیش کیے ہیں۔ امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام سرخسی (م ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء) اور شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) نے اپنی تحقیق میں اس حدیث مبارکہ کا حقیقی مفہوم پیش کیا ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مؤمن کی زندگی اور بقاء جہاد سے وابستہ ہے اگر مسلمان زراعت ہی کو مقصدِ حیات بنا لیں اور اس میں اس قدر دلچسپی لیں کہ جہاد جیسے اہم فریضہ کو بھول جائیں تو پھر دشمن ان پر حملہ آور ہو

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما يحذر من عواقب الاشتغلال بآلة الزرع أو مجاوزة الحدّ الذي أمر به، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۶

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۷۵، رقم: ۸۹۲۱

کر ان کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔

۲۔ اسی ضمن میں امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ جس سے ہم نتیجہ نکالتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کے صحیح مفہوم کو واضح کرتے ہیں:

عن أبي هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من أمسک کلبًا فإنه ينقص کل يوم من عمله قيراط إلا کلب حرث أو ماشية.[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کتا رکھا اس کے نیک اعمال کا ثواب روزانہ ایک قیراط کم ہوتا جاتا ہے البتہ کھیت یا ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتا رکھا جا سکتا ہے (یعنی اس صورت میں ثواب میں کمی نہ ہوگی)۔''

لہٰذا اگر کاشتکاری کا پیشہ قابلِ مذمت ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا رکھنے کی اجازت کیوں دیتے؟ اسی طرح دیگر توجیہات، مفاہیم اور صحیح معنی و پس منظر جناب محدث داؤدی، محدث ابن متین وغیرہ نے اپنی نگارشات میں قلمبند کیا ہے جس کی تفصیل فقہ اسلامی کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب اقتناء الکلب للحرث، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۷

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب الأمر بقتل الکلاب وبيان نسخة وبيان تحريم اقتنائها إلا لصيد أو زرع أو ماشية ونحو ذلك، ۳: ۱۲۰۲، رقم: ۱۵۷۴

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام والفوائد، باب ما جاء من أمسك کلباً ما ينقص من أجره، ۴: ۸۰، رقم: ۱۴۸۲

مزارعت (Agricultural Tenancy)

زمین و زراعت سے متعلق ایک اور شعبہ جسے مزارعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مزارعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ هي عقد على الزرع ببعض الخارج.(۱)

''مزارعت سے مراد وہ عقد ہے جو زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ پر زمین کی زراعت کے لئے کیا جائے۔''

۲۔ معنى المزارعة: دفع الأرض إلى من يزرعها أو يعمل عليها والزرع بينهما.(۲)

''مزارعت یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اس معاہدے پر زمین دینا کہ وہ اس کو بوئے گا اور دیگر کام کرے گا اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔''

۳۔ إذا دفع الرجل إلى الرجل أرضًا بيضاء على أن يزرعها المدفوعة إليه فما أخرج الله منها من شيء فله منه جزء من الأجزاء فهذه المزارعة.(۳)

''جب ایک شخص کسی دوسرے کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ دوسرا زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا اور اس معاملہ کا نام مزارعت ہے۔''

---

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۴: ۵۳

(۲) ابن قدامه، المغنى، ۵: ۴۱۶

(۳) شافعي، كتاب الأم، ۷: ۱۱۱

۴۔ فهي عبارة عن عقد الزراعة ببعض الخارج.[1]

''زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلہ میں کھیتی کا معاملہ کرنا مزارعت کہلاتا ہے۔''

مترادف الفاظ

مزارعت کے مترادف الفاظ ''مخابرة'' اور ''محاقله'' ہیں۔ عربی کتب میں مزارعت کے ضمن میں یہ الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مزارعة، مخابرة اور محاقلة تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہم معنی الفاظ ہیں۔

(۱) مزارعة

شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) مزارعة کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المزارعة: أن تكون الأرض والبذر لواحد، والعمل والبقر من الآخر.[2]

''مزارعت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک شخص کے ہوں اور محنت اور بیل دوسرے کے ہوں۔''

(۲) مخابرة

مخابرۃ کے بارے میں لکھتے ہیں:

المخابرة: أن تكون الأرض لواحد، والبذر والبقر والعمل من الآخر، ونوع آخر يكون العمل من أحدهما والباقى من الآخر.[3]

---

(۱) الفتاوى الهندية، ۵: ۲۳۵

(۲) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

(۳) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

’’مخابرہ یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج، بیل اور محنت دوسرے کی۔ اس کی ایک اور صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ محنت ایک کی اور باقی چیزیں دوسرے کی ہوں۔‘‘

(۳) محاقلة

اس سے مراد کھیت اور زرعی زمین ہے کیونکہ یہ معاملہ زمین کے مالک اور مضارع (کاشت کرنے والے) کے مابین حصولِ پیداوار کے ضمن میں طے پاتا ہے جس کی بنیاد کھیت اور کھیتی ہوتی ہے، اسی لئے اسے محاقلة کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث

مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں علماء نے جو بحث کی ہے ذیل میں اس کی تفصیل دی گئی ہے:

عدم جواز کی روایات

درج ذیل احادیث کی روشنی میں مزارعت کے عدم جواز کا ثبوت ملتا ہے جس کی رو سے بعض علماء نے کہا ہے کہ مزارعت اسلام کے معاشی نظام میں ناجائز تصور کی گئی ہے:

۱۔ عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال: نهى رسول الله ﷺ أن يؤخذ للأرض أجر أو حظه.[۱]

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۱۵۳۶
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۹، رقم: ۱۱۴۸۳

نے زمین کی اجرت لینے یا حصہ (بٹائی) لینے سے منع فرمایا۔‘‘

۲۔ عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما أن النبي ﷺ نهى عن المخابرة.(۱)

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا۔‘‘

۳۔ عن جابر رضی الله عنه قال: كانوا يزرعونها بالثلث والربع والنصف فقال النبي ﷺ: من كانت له أرض فليزرعها أو ليمنحها، فإن لم يفعل فليمسک أرضه.(۲)

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ہمارے زمانے میں) لوگ ۱/۳، ۱/۴ اور ۱/۲ پر کاشت کرتے تھے مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو اسے چاہیے کہ خود کاشت کرے یا اپنے (مسلمان) بھائی کو (بطور) عطیہ دے دے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر اپنی زمین کو (اپنے پاس ہی) روکے رکھے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۷، رقم: ۱۵۳۶

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في المخابرة، ۳: ۲۶۲، رقم: ۳۴۰۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما كان أصحاب النبي ﷺ يواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۴، رقم: ۲۲۱۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۱۵۳۶

۴۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: من كانت له أرض فليزرعها أو ليمنحها أخاه فإن أبى فليمسك أرضه.(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود کاشت کرے یا کسی (مسلمان) کو بطور احسان مفت دے دے اور اگر وہ دونوں باتوں سے انکار کرے تو پھر اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔''

۵۔ عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: نهانا رسول الله ﷺ عن أمر كان لنا نافعاً إذا كانت لأحدنا أرض أن يعطيها ببعض خراجها أو بدراهم وقال: إذا كانت لأحدكم أرض فليمنحها أخاه أو ليزرعها.(۲)

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے منع فرمایا جو (بظاہر) ہمارے لئے نفع بخش تھا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس اگر زمین ہوتی تو وہ اسے بٹائی پر دے دیتا یا دراہم (ٹھیکہ) پر

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما كان أصحاب النبي ﷺ يواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۵، رقم: ۲۲۱۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۸، رقم: ۱۵۴۴

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب من المزارعة، ۳: ۶۶۷، رقم: ۱۳۸۴

۲۔ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۳۷۹، رقم: ۲۱۲۵۱

دے دیتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو وہ یا تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت (بطور احسان برائے کاشت دے دے) یا (اگر خود زراعت کر سکتا ہے تو) خود اسے کاشت کرے۔‘‘

۶۔ أن ابن عمر كان يكري مزارعة على عهد النبي ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان وصدراً من إمارة معاوية ثم حدث عن رافع بن خديج: أن النبي ﷺ نهى عن كراء المزارع، فذهب ابن عمر إلى رافع، فذهبت معه، فسأله فقال: نهى النبي ﷺ عن كراء المزارع، فقال ابن عمر: قد علمت أنّا كنّا نكري مزارعنا على عهد رسول الله ﷺ بما على الأربعاء وبشيء من التبن وفي رواية ثم خشي عبد الله أن يكون النبي ﷺ قد أحدث في ذلک شيئاً لم يكن يعلمه، فترک كراء الأرض.(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کو عہد نبوی ﷺ، عہد ابو بکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد معاویہ کے آغاز تک کرایہ (ٹھیکہ / لگان) پر دیا کرتے تھے پھر ان سے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی کہ نبی اکرم ﷺ نے کرائے پر زمین دینے سے منع فرمایا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما كان أصحاب النبي ﷺ يواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۵، رقم: ۲۲۱۸، ۲۲۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۸۰، رقم: ۱۵۴۷

۳۔ زيلعي، نصب الراية، ۴: ۱۸۰

عنہما حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، راوی کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ ان سے پوچھا تو رافع نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی چوتھائی حصے اور کچھ گھاس کے بدلے زمین کرائے پر دیتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ڈر گئے کہ ممکن ہے بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ نے کوئی ایسا حکم دیا ہو جو ان کے علم میں نہ ہو اس لئے انہوں نے زمین کرائے پر دینا ترک کر دی۔‘‘

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کی رائے

۱۔ قال أبو حنيفة: المزارعة بالثلث والربع باطله ...... وله ما روى أنه عليه الصلوة والسلام: نهى عن المخابرة وهي المزارعة.[۱]

’’امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مزارعت کا معاملہ تہائی (۱/۳) اور چوتھائی (۱/۴) پر طے کرنا باطل ہے ...... اور آپ کی دلیل حضور نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ’’مخابرہ‘‘ کے معاملہ کو منع فرمایا اور مخابرہ مزارعت ہی کا دوسرا نام ہے۔‘‘

۲۔ كان أبو حنيفه لا يجيز المزارعة في الأرض ولا المعاملة في النخل بالثلث ولا بالربع ولا بأقل من ذلک ولا بأكثر وكان يقول: هذه إجارة استوجرت ببعض ما يخرج من الأرض والنخل، لا يدرى أيخرج شيئاً أم لا يخرج.[۲]

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۴: ۵۳

(۲) محمد، كتاب الحجة، ۴: ۱۳۸

’’امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زمین اور کھجوریں (باغات) دونوں میں مزارعت کا معاملہ تہائی (۱/۳)، چوتھائی (۱/۴) یا اس سے کم یا اس سے زیادہ پر جائز نہیں سمجھتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے: یہ اس قسم کا اجارہ ہے کہ جس میں زمین اور باغ کی پیداوار کو اجرت ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ پیدا ہوگا بھی یا نہیں (یعنی اجارہ میں اجرت، مزدوری یا معاوضہ معلوم ہونا شرط ہے)۔‘‘

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے علاوہ حضرت حماد، حضرت مجاہد، حضرت سالم، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہم بھی مزارعت کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ تمام حضرات گرامی اسلام کے کبار فقہاء میں شامل ہیں۔

جوازِ مزارعت کی روایات

ذیل میں وہ روایات درج کی جاتی ہیں جن سے مزارعت کا جواز ملتا ہے:

۱۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنهما: أن رسول الله ﷺ أعطى خيبر اليهود على أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما خرج منها.(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف (۱/۲) بٹائی پر ہو۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب المزارعة مع اليهود، ۲: ۸۲۱، رقم: ۲۲۰۶

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب ذكر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ۷: ۵۳، رقم: ۳۹۲۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۱۵، رقم: ۱۱۴۱۰

۲۔ عن سعد بن أبی وقاص رضی الله عنه: کان أصحاب المزارع یکرون في زمان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم مزارعهم.(۱)

’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالکانِ زمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اپنی زمینوں کو کرایہ (اجارہ) پر دیا کرتے تھے۔‘‘

۳۔ عن حنظلة بن قیس رضی الله عنه: أنه سأل رافع بن خدیج عن کراء الأرض. فقال: نهی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن کراء الأرض. قال: فقلت: أبالذّهب والورق؟ قال: أما بالذهب والورق، فلا بأس به.(۲)

’’حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو اجارہ پر لینے (یا دینے) کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا سونا چاندی (یعنی نقد لگان) پر بھی منع ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اگر سونے چاندی کی بات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

۴۔ عن أبي جعفر رضی الله عنه قال: ما بالمدینة أهل بیت هجرة إلا

---

(۱) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب الأیمان والنذور، باب ذکر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ۷: ۴۱، رقم: ۳۸۹۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۸، رقم: ۱۵۴۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البیوع، باب کراء الأرض بالذهب والورق، ۳: ۱۱۸۳، رقم: ۱۵۴۷

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في المزارعة، ۳: ۲۵۸، رقم: ۳۳۹۳

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۹۸، رقم: ۴۶۲۸

يزرعون على الثلث والربع، وزارع عليّ وسعد بن مالك وعبد الله بن مسعود وعمر بن عبد العزيز والقاسم وعروة وآل أبي بكر وآل عمر وآل عليّ وابن سيرين وقال عبد الرحمن بن الأسود: كنت أشارك عبد الرحمن بن زيد في الزرع وقال الحسن: لا بأس أن تكون الأرض لأحدهما فينفقان جمعاً فما خرج فهو بينهما.[1]

’’حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی (۱/۳) یا چوتھائی (۱/۴) پر زمین کاشت نہ کرتا ہو۔ حضرت علی، سعد بن مالک، عبد اللہ بن مسعود، عمر بن عبد العزیز، قاسم، عروہ، آل ابو بکر، آل عمر، آل علی اور ابن سیرین یہ سب اپنی زمینیں اس طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن اسود کہتے ہیں: میں عبد الرحمٰن بن زید کا زراعت میں شریک کار تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں اگر ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا شخص اس کے ساتھ مل کر اس پر خرچ کرے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔‘‘

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) کی رائے

قال أبو يوسف: فأحسن ما سمعناه في ذلك والله أعلم أن ذلك كله جائز مستقيم صحيح، وهو عندي بمنزلة مال المضاربة، قد يدفع الرجال إلى الرجل المال مضاربة بالنصف والثلث فيجوز

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب المزارعة بالشرط، ۲: ۸۲۰، رقم: ۲۲۰۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۳۵، رقم: ۱۱۵۲۰

وهذا مجهول لا يعلم ما مبلغ ربحه ليس فيه اختلاف بين العلماء فيما عملت: وكذلک الأرض عندي هي بمنزلة المضاربة: الأرض البيضاء منها والنخل والشجر سواء.[1]

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں جو بات ہم نے سب سے بہتر سنی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کو (نصف یا تہائی یا چوتھائی حصہ) بٹائی پر دینا جائز ہے یہی مُنقّح اور صحیح ہے۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ مال مضاربت کی طرح کا معاملہ ہے جہاں ایک شخص اپنا مال دوسرے شخص کو نصف اور تہائی نفع پر مضاربت کے طریقہ پر دیتا ہے اور یہ جائز ہے حالانکہ یہ بات نا معلوم ہے کہ نفع کس قدر ہوگا۔ اس میں علماءِ اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں بالکل اسی طرح زمین بھی میرے نزدیک مالِ مضاربت کی مانند ہے اور اس سلسلہ میں سادہ زمین اور کھجور اور پھلوں کے (دیگر) درخت سب برابر ہیں۔''

(۳) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) کی رائے

قال محمد: هذا كله جائز، المعاملة في النخل والمزارعة في الأرض بالثلث والربع وغير ذلک وهذا بمنزلة مال المضاربة.[2]

''امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کھجور (باغات میں ساقات) اور زمین ۱/۳، ۱/۴ وغیرہ پر مزارعت تمام جائز ہے اور یہ (زمین اور باغات) بمنزلہ مال مضاربت کے ہیں۔''

www.MinhajBooks.com

امام اعظم (۸۰۔۱۵۰ھ) سے مروی ایک دوسری روایت کے مطابق اور امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس کو مشروط جائز قرار دیا ہے:

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹۶

(۲) محمد، كتاب الحجة، ۴: ۱۴۱

قال الشافعي وأبو حنيفة وعترة وكثيرون إنه يجوز كراء الأرض بكل ما يجوز أن يكون ثمناً في المبيعات من الذهب والفضة.(۱)

’’امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ائمہ اہلِ بیت اور دوسرے کثیر التعداد علماء نے زمین کو سونے، چاندی یعنی درہم و دینار کے عوض ٹھیکہ پر دینا جائز قرار دیا ہے۔‘‘

(۴) اَحادیث عدمِ جوازِ مزارعت میں ’’منع‘‘ کی وجوہات

مذکورہ بالا بیان میں ہم نے مزارعت کے جواز اور عدم جواز دونوں کے ضمن میں احادیثِ نبوی ﷺ پیش کیں ہیں عقلِ سلیم تقاضا کرتی ہے کہ غور و فکر کیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کن حالات و مواقع پر مزارعت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم مزید چند احادیث سے استشہاد کرتے ہیں:

۱۔ عن رافع بن خديج رضی الله عنه قال: حدثني عماي: أنهم كانوا يكرون الأرض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الأربعاء أو شيء يستثنيه صاحب الأرض، فنهى النبي ﷺ عن ذلک.(۲)

’’حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے چچا (حضرت زبیر) نے فرمایا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور یہ شرط لگایا کرتے تھے کہ نہر کے قریب کے حصے کی زمین کی پیداوار ہماری ہوگی یا اس معین حصۂ زمین کی پیداوار ہماری ہوگی، جب حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، ٦: ١٠

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب كراء الأرض بالذهب والفضة، ۲: ٨٢٦، رقم: ٢٢٢٠

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ١٣٢، رقم: ١١٥٠٠

کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔‘‘

۲۔ (قال رافع رضی اللہ عنہ) كنا أكثر الأنصار حقلاً، قال: كنا نكري الأرض على أن لنا هذه ولهم هذه. فربما أخرجت هذه ولم تخرج هذه. فنهينا عن ذلك ولم ننه عن الورق.(۱)

’’حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم انصار میں سب سے زیادہ کھیتوں کے مالک تھے ہم زمین اس شرط پر کرایہ پر دیا کرتے تھے کہ ہمارے لیے اس خاص حصہ کی پیداوار ہو گی اور ان (مزارعین) کے لئے دوسرے حصہ کی پیداوار ہو گی۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اس (ہمارے والے) حصہ کی پیداوار تو ہو جاتی مگر اس (مزارع) کے حصہ کی پیداوار نہ ہوتی لہٰذا آپ ﷺ نے ہمیں اس (ظالمانہ معاہدہ) سے منع فرمایا۔ رہی بات چاندی (یعنی نقد ٹھیکہ / لگان) کی تو اس سے منع نہیں فرمایا۔‘‘

خلاصۂ بحث

تمام احادیثِ نبوی ﷺ جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں سب کا مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ وہی ہے جو کہ متذکرہ بالا روایات میں بیان ہوا ہے۔ ان تمام احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی مزارعت سے منع فرمایا ہے جس سے مزارع کا استحصال ہو یا وہ معاہدۂ مزارعت جس میں ظلم اور ناانصافی کا عنصر شامل ہو مثلاً نہر کے قریب والی یا آسانی سے سیراب ہونے والی یا زیادہ پیداوار

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشروط، باب الشروط في المزارعة، ۲: ۹۷۰، رقم: ۲۵۷۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الارض بالذهب و الورق، ۳: ۱۱۸۳، رقم: ۱۵۴۷

دینے والی زمین کی پیداوار تو زمیندار لے جائے اور زمین کا وہ حصہ جہاں پانی آسانی سے نہ پہنچتا ہو جس کی پیداوار نہ ہو یا کم ہو اس کی پیداوار مزارع کو دی جائے۔ ایسا معاہدہ ظالمانہ رویہ کا آئینہ دار ہے جس کی حضور نبی اکرم ﷺ نے نفی فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، سعد بن ابی وقاص اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ہیں جو بخاری (کتاب الحرث و المزارعۃ) مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ترمذی (کتاب الزراعۃ) میں آئی ہیں۔ ان سب سے مزارعت کی مشروط اجازت ثابت ہوتی ہے۔ گویا مزارعت کی شرائط یکطرفہ نہ ہوں اور مزارعت کا قانون صرف مالکانِ اراضی کے مفادات کا ہی تحفظ نہ کرے بلکہ مالک اور مزارع دونوں کے مفادات میں توازن اور انصاف کی ضمانت دے تو مزارعت جائز ہے۔ اور یہ کہ مالک اور مزارع کے درمیان منافع یا پیداوار کی تقسیم عادلانہ ہو ظالمانہ نہ ہو۔ اور مزارعت دونوں کی یکساں خوشحالی کا باعث بنے، یہ استحصال کا سبب نہ ہو تو اس صورت میں مزارعت جائز ہے۔ اگر اس کے برعکس مالکانِ اراضی یا زمیندار (Landlords) خوب کمائیں اور عیش سے رہیں جبکہ مزارعین (محنت کرنے والے) کو دو وقت کی روٹی، پہننے کا لباس، رہنے کا گھر اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی عزت و سہولت سے نہ مل سکیں تو یہ مزارعت ناجائز ہے اور ظلم و ناانصافی ہے۔

مساقات (Watering)

مزارعت سے ملتی جلتی ایک اور اصطلاح ''مساقات'' ہے۔ لفظ مساقات کا مادہ ''سقی'' ہے جس کے معنی ''آب پاشی'' کے ہیں۔ مساقات میں درخت یا کھیتی کی دیکھ بھال، صفائی، کانٹ چھانٹ اور پانی دینا سب شامل ہیں۔ یہ ایک قسم کا معاملہ/معاہدہ ہوتا ہے جس میں باغ یا درخت کسی کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے اور اس سے حاصل شدہ پیداوار کا کچھ حصہ اسے دیا جائے گا۔

مزارعت کی طرح مساقات کے جواز اور عدم جواز کی بحث بھی علماء و فقہاء کے درمیان رہی ہے۔ کچھ فقہاء نے مساقات کے جواز میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث پیش کی ہے:

۱۔ أن رسول اللہ ﷺ أعطی خیبر الیهود أن یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما خرج منها.[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف نصف تقسیم ہو۔''

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ استوار فرمایا تو انصار نے اپنے باغات کو تقسیم کرنے کی پیشکش کی جسے آپ ﷺ نے رد کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے:

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب المزارعة، باب المزارعة مع الیهود، ۲: ۸۲۱، رقم: ۲۲۰۶

۲۔ نسائي، السنن، کتاب الأیمان والنذور، باب ذکر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ۷: ۵۳، رقم: ۳۹۲۹

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۱۵، رقم: ۱۱۴۱۰

۲۔ قالت الأنصار: اقسم بيننا وبينهم النخل، قال: لا. قال تكفونا المؤونة وتشركونا في التمر. قالوا: سمعنا وأطعنا.(۱)

''انصار نے کہا: (یا رسول اللہ!) کھجور کے باغات ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایسا نہیں کروں گا، اس پر انصار نے (مہاجرین سے) کہا، پھر آپ حضرات یہ صورت اختیار کر لیں کہ کام ہماری طرف سے آپ کر دیا کریں اور کھجور کے پھلوں میں ہمارے شریک بن جائیں۔ مہاجرین نے کہا ہم نے آپ حضرات کی بات سنی اور ہم ایسا ہی کریں گے۔''

اسی طرح عدم جواز کے سلسلہ میں بعض فقہاء جن میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) بھی شامل ہیں، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے مساقات کا عدم جواز پیش کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اس مؤقف کو کتاب الخراج میں یوں بیان کرتے ہیں:

۳۔ عن رافع بن خديج عن رسول الله ﷺ: أنه مرّ على حائط فسأل: لمن هو؟ فقال رافع بن خديج: لي، استأجرته. فقال: لاتستأجره بشيء منه. فكان أبو حنيفة رضی اللہ عنہ ومن كره المساقاة يحتج بهذا الحديث ويقول: هذه إجارة فاسدة مجهولة.(۲)

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۷۱

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹۶

آپ ﷺ (ایک مرتبہ) ایک باغ کے پاس سے گزرے تو پوچھا: یہ کس کا ہے؟ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا ہے اور میں نے اجارہ پر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اجارہ میں سے کچھ نہ لو۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور جس نے بھی مساقات کو مکروہ قرار دیا ہے (انہوں نے) اسی حدیث کو حجت بنایا ہے اور (یہ طبقہ) کہتا ہے کہ یہ اجارہ فاسد اور مجہول ہے۔‘‘

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ نے مساقات کو منع فرمایا ہے تو اس کی بنیادی وجہ بھی باہمی مفادات میں عدم توازن اور محنت کرنے والے کی حق تلفی ہے لیکن اگر معاہدۂ مساقات میں بھی استحصال اور ناانصافی کا عنصر نہ ہو تو یہ معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی نظریہ کی تائید میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں:

فكان أحسن ما سمعنا في ذلك، والله أعلم، أن ذلك جائز مستقيم ابتعنا الأحاديث التي جاءت عن رسول الله ﷺ في مساقاة خيبر لأنها أوثق عندنا وأكثر وأعم مما جاء في خلافها من الأحاديث.(۱)

’’میرے علم واطلاع کی حد تک بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے۔ ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو مساقاتِ خیبر کے سلسلہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہیں کیونکہ جو احادیث ان کے خلاف جاتی ہیں ان کے مقابلے میں یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابلِ اعتماد، زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔‘‘

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹۶

اجارہ (Leasing)

تعریف

عربی زبان کا لفظ ''اجارہ''، ''اجر'' سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی اجرت، مزدوری یا مشاہرہ ہے۔ اصطلاحی معنوں میں:

۱۔ **الإجارة عقد على المنافع بعوض.** (۱)

''عقد اجارہ ایک معاہدہ ہے جو کسی معاوضہ کے بدلے کسی منفعت پر کیا جائے۔''

۲۔ **الإجارة: عبارة عن العقد على المنافع بعوض هو مال، وتمليك المنافع بعوض إجارة وبغير عوض إعارة.** (۲)

''اجارہ اس معاہدہ سے عبارت ہے کہ جو کسی معاوضہ کے بدلے منفعت پر کیا جائے یہ معاوضہ (عام طور پر) مال ہوتا ہے اور معاوضہ کے بدلے منفعت کا مالک ہونا اجارہ ہے اور بغیر معاوضہ کے (منفعت کا مالک ہونا) عاریت ہے۔''

اِجَارَۃٌ بروزن فِعَالَۃٌ از روئے لغت اجرت کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں کسی شے کے نفع کے عوض کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔

مزدوری پر کام کرنا، ٹھیکہ، کرایہ، نوکری وغیرہ سب ہی اجارہ کی مختلف اقسام ہیں۔ آجر یا مستاجر وہ شخص ہے جو کسی سے اجرت پر کام لے رہا ہے۔ اجیر سے مراد جس سے کام لیا جائے یعنی مزدور، نوکر، ملازم وغیرہ۔

---

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۲۳۱

(۲) جرجاني، التعريفات: ۳۱

اجیر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو مستقل کوئی فنی کام کرتا ہو اور دوسرے افراد اپنے کام کروانے کے سلسلہ میں اجرت دے کر اس سے خدمات لیتے ہیں مثلاً لوہار، کارپینٹر، درزی وغیرہ اسے ''اجیر مشترک'' کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جو اپنی خدمات کسی ایک شخص کے لئے بعوض اجرت وقف کر دے مثلاً گھریلو ملازم، کارخانہ یا فیکٹری کا مزدور، باورچی وغیرہ اسے ''اجیر خاص'' کہا جاتا ہے اور جو مزدوری، مشاہرہ، معاوضہ یا تنخواہ اسے دی جاتی ہے اجرت کہلاتی ہے۔

زمین کے ''لگان'' کو بھی اجارہ کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ یا کرایہ پر دینا۔

اجارہ کا شرعی جواز

زمین کو کرایہ یا بٹائی پر دینا جائز ہے اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مکانات کو کرایہ پر دینا

مکانات کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے اس میں ائمہ وفقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں مکانات کو کرایہ پر دینے کا رواج تھا۔

۱۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۹ھ) روایت کرتے ہیں:

عن يحيٰی بن سعيد، إن سعيد بن المسيب سُئل عن المرأة يطلقها زوجها وهي في بيت بكراء، على من الكراء؟ فقال سعيد: على زوجها. قال: فإن لم يكن عند زوجها؟ قال: فعليها. قال: فإن لم يكن عندها؟ قال: فعلى الأمير.[1]

---

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الطلاق، باب ما جاء في عدة المرأة في ←

’’یحیٰی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیّب سے سوال کیا گیا کہ اگر مطلقہ عورت (دورانِ عدت) کرایہ کے مکان میں رہتی ہو تو اس کا کرایہ کس پر ہوگا؟ سعید نے کہا: اس کے خاوند پر، کہا: اگر خاوند کے پاس کرایہ نہ ہو؟ کہا: اس عورت پر، کہا: اگر اس عورت کے پاس بھی کرایہ نہ ہو؟ کہا: حکومت پر۔‘‘

۲۔ عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أنه سُئل عن كراء بيوت مكة، فقال: لا بأس به الكراء مثل الشراء.(۱)

’’ان (عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ) سے مکہ کے گھروں کو کرائے پر دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، کرایہ خریدنے ہی کی مثل ہے۔‘‘

۳۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) روایت کرتے ہیں:

وقد سُئل عن كرائها سعيد بن جبير بالحنطة كيلاً معلومًا فرخص في ذلك، فقال: هل ذلك إلا مثل البيت يكرى.(۲)

’’سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ گندم کے معین ماپ کے بدلہ زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں (آپ کی کیا رائے ہے؟) انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ مکانوں کے کرائے پر دینے کی مثل ہے۔‘‘

مذکورہ بالا روایات میں مکانوں کو کرایہ پر دینے کا صراحۃً ذکر ہے اور یہ مکانات

------ بيتها إذا طلقت فيه، ۲: ۵۸۰، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۱۵۴، رقم: ۱۷۲

(۱) بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۴، رقم: ۱۰۹۶۲

(۲) محمد، الموطأ: ۳۵۵

کے کرائے پر دینے کے جواز میں واضح دلیلیں ہیں۔

اجارہ کی شرائط

علماء و فقہاء نے اجارہ کی درج ذیل شرائط مقرر کی ہیں:

۱۔ فریقین عاقل و بالغ ہوں، نابالغ کے لئے ولی کی اجازت لینا ضروری ہے۔

۲۔ اجارہ کرنے والا بااختیار اور مالک ہو۔

۳۔ جس چیز پر منافع کا معاہدہ ہوا ہے وہ چیز مستاجر کے سپرد کرنا۔

۴۔ اجرت کا معلوم ہونا اور وضاحت کرنا لازمی ہے۔

۵۔ منفعت کا پہلو واضح ہو۔

۶۔ مدتِ اجارہ واضح کر دی جائے۔

۷۔ فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

۸۔ جس شے پر عقدِ اجارہ ہو رہا ہے اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔

جائیداد کرایہ پر دینے کے مسائل

مشینری، کراکری، فرنیچر، مکان، دکان یا کوئی بھی جائیداد کرایہ پر دینے کے ضمن میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کرایہ پر وہی چیزیں دی جا سکتی ہیں جو صرف (Consume) نہ کی جاتی ہوں بلکہ استعمال (Use) کی جاتی ہوں مثلاً زمین، مکان، فرنیچر اور کراکری وغیرہ۔

۲۔ کرایہ پر معاملہ اسی شکل میں درست ہوگا جب کرایہ پر دی جانے والی چیز اس حالت میں ہو کہ اس سے فوائدِ استعمال (Usufruct) کا حصول ممکن ہو۔

۳۔ نقد سرمایہ کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔

۴۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز کی اگر مرمت، درستگی وغیرہ ضروری ہو تو یہ مالک (Lessor) کے ذمہ ہوگا مثلاً اگر مکان کرائے پر دیا اور اس میں کسی جگہ مرمت وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو اس مرمت کا خرچ مالک مکان دے گا۔

۵۔ اسی طرح پراپرٹی ٹیکس اور حکومت کے عائد کردہ دیگر ٹیکس مالک کے ذمہ ہوں گے البتہ بجلی، گیس، پانی، ٹیلی فون وغیرہ کے بل کرایہ دار (Lesee) ادا کرے گا۔

۶۔ کسی بھی ناگہانی آفت کی وجہ سے اگر جائیداد کو نقصان پہنچا تو اس کا ذمہ دار مالک ہوگا یعنی اس کی مرمت، درستگی وغیرہ کا خرچ مالک اٹھائے گا البتہ کرایہ دار کی بے احتیاطی، غفلت یا دانستہ لاپرواہی سے جائیداد کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کرایہ دار ہوگا۔

۷۔ جائیداد میں ردو بدل (Alteration) مالک کی رضامندی سے ہوگی۔

۸۔ مالک کی مرضی کے بغیر کرایہ دار جائیداد کے کسی حصہ کو مزید کرایہ (Sublet) پر نہیں دے سکتا۔

۹۔ کرایہ ہر سال، تین سال یا پانچ سال بعد بڑھانے کی شرط معاہدہ میں لکھی جا سکتی ہے، کرایہ دار پر اس شرط کی پابندی کرنا ضروری ہوگی۔

۱۰۔ جائیداد یا وہ اشیاء جو کرایہ پر دی گئی ہوں ان کے کرایہ میں شکست و ریخت یا فرسودگی الاؤنس (Depreciation Allowance) شامل کیا جا سکتا ہے لیکن معاہدہ کے وقت کرایہ دار کو اس امر کی نشاندہی کرا دینا بہتر ہوگا۔

باب ہشتم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

(النساء، ۴: ۲۹)

تجارت، شراکت اور مضاربت

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

تجارت (Trade)

لفظ تجارت اپنے اندر کثیر معانی اور مفاہیم لیے ہوئے ہے۔ عرفِ عام میں لین دین، کاروبار، دُکانداری، سوداگری، گھریلو اشیاء کی خرید و فروخت، دیگر اشیاء کا لین دین اور بیوپاری تجارت میں شامل ہیں۔ عربی زبان میں اسے ''بیع'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور عبد الرحمٰن جزیری (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲۔۱۹۴۱ء) بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ هو مبادلة السلعة بالنقد علی وجه مخصوص. (۱)

''خاص حالات میں سامان کو نقد مال سے تبدیل کرنا بیع کہلاتا ہے۔''

زمانۂ قدیم سے عصرِ حاضر تک تجارت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور آج اندرونِ ملک تجارت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی تجارت ہر ملک کا ایک اہم شعبہ بن چکا ہے۔

تجارت عاملینِ پیدائش اور وسائلِ معیشت میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ملکی معیشت کی ترقی میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تجارت کی اسی خصوصیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عبد الرحمٰن جزیری کہتے ہیں:

۲۔ فالبیع و الشراء من أکبر الوسائل الباعثة علی العمل في هذه الحیاة الدنیا، وأجل أسباب الحضارة و العمران. (۲)

''تجارت اس دنیا میں عمل پر ابھارنے کا سبب سے بڑا ذریعہ ہے اور تمدن و آبادکاری کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔''

---

(۱) جزیري، الفقه علی المذاهب الأربعة، ۲: ۱۴۸

(۲) جزیري، الفقه علی المذاهب الأربعة، ۲: ۱۵۵

اَقسامِ تجارت (Kinds of Trade)

تجارت کی دو بڑی قسمیں ہیں:

۱۔ داخلی تجارت (Domestic Trade)

۲۔ خارجی تجارت (Foreign Trade)

داخلی تجارت وہ بیع و شراء ہے جو موجودہ مال (اشیاء) پر لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور ان کی خرید و فروخت اندرونِ ملک ہی ہوتی ہے۔ جبکہ خارجی تجارت/ بین الاقوامی تجارت سے مراد باہر کے ممالک سے مال منگوانا اور بھیجنا ہوتا ہے۔ دونوں اقسام میں اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر ایک مشروع تجارت اور دوسری تجارت فاسدہ قرار پاتی ہے۔ مشروع تجارت کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھا گیا ہے جبکہ تجارتِ فاسدہ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

تجارت کی اہمیت و فضیلت

(Importance & Significance of Trade)

مال انسان کے قیام اور حصولِ مصالح کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ حصولِ مصالح کے لئے اشیاء کا تبادلہ یا خرید و فروخت عمل میں آتی ہے جس کو بیع و شراء یا تجارت کہتے ہیں۔ اسلامی شریعت کے اصولوں کے تحت عمل میں لائی گئی تجارت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اسے اللہ کے فضل اور عبادت کا درجہ بھی دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تجارت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

رزق) تلاش کرنے لگو۔‘‘

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ‌ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ○ (۱)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے ○‘‘

۳۔ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ○ (۲)

’’اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو ○‘‘

۴۔ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ ○ (۳)

’’اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے اور ان (انسانوں، جانوروں اور پرندوں) کے لئے بھی جنہیں تم رزق مہیا نہیں کرتے ○‘‘

۵۔ وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○ (۴)

’’اور ہم نے دن کو (کسبِ) معاش (کا وقت) بنایا (ہے) ○‘‘

۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا

www.MinhajBooks.com

(۱) النساء، ۴: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الحجر، ۱۵: ۲۰

(۴) النبا، ۷۸، ۱۱

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.[۱]

”اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔“

۷۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا.[۲]

”وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

۸۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○[۳]

”(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی ○“

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی تجارت/ تاجر کی اہمیت و فضیلت کا ذکر موجود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ التاجر الصدوق الأمین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء.[۴]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۵

(۳) النور، ۲۴: ۳۷

(۴) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إیاهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۹

’’سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔‘‘

۲۔ إن التجار يبعثون يوم القيامة فجارًا إلّا من اتّقى وبرّ وصدق.[١]

’’قیامت کے دن تاجر فاجروں کی صف میں کھڑے ہوں گے، سوائے ان کے جنہوں نے تقویٰ، نیکی اور راست بازی کو اختیار کیا ہو گا۔‘‘

۳۔ إن التجار هم الفجار، قالوا: يا رسول الله! أ ليس قد أحل الله البيع؟ قال: بلى ولكنهم يحلفون فيأثمون، ويحدثون فيكذبون.[٢]

’’(آپ ﷺ نے فرمایا:) بے شک تاجر فاسق و فاجر ہیں، صحابہ کرام ﷢ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ نے بیع کو حلال قرار نہیں دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، لیکن (وہی تاجر فاسق ہیں) جو جھوٹی قسمیں کھا کر گنہگار ہوتے ہیں اور جب (کاروباری انداز میں) بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔‘‘

۴۔ الجالب مرزوق والمحتكر ملعون.[٣]

---

(١) ١۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ٣: ٥١٥، رقم: ١٢١٠

٢۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التوقي في التجارة، ٢: ٧٢٦، رقم: ٢١٤٦

٣۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٥: ٢٦٦، رقم: ١٠١٩٤

(٢) ١۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ٢: ٨، رقم: ٢١٤٥

٢۔ طبراني، المعجم الكبير، ١٩: ٣١٤، رقم: ٧١١

٣۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ٥: ٢٢٦، رقم: ١٠١٩٥

(٣) ١۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ٢: ٧٢٨، رقم: ٢١٥٣

٢۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ٣٠، رقم: ١٠٩٣٨

’’دوسرے شہر سے مال لانے والے (تاجر) کو رزق (اور مزدوری میں برکت و نفع) دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔‘‘

دورِ جدید میں تجارت زبردست اہمیت کی حامل بن چکی ہے۔ یہ کسی بھی اقتصادی نظام کی کامیابی اور ترقی و برتری کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ اقتصادی بہبود (Economic Welfare) اور خود کفالت (Self-Sufficiency) کی ضامن بھی بن گئی ہے۔ جن ممالک نے تجارت کے شعبہ کو ترقی دی وہ آج ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل کیے جاتے ہیں، اس کے برعکس وہ ممالک جنہوں نے تجارت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی وہ غربت و افلاس، بیروزگاری، قرض اور معاشی استحصال کے شکنجے میں پھنسے پڑے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بعض ممالک نے تجارت کو ’’بطور ریاستی حکمتِ عملی‘‘ (State Diplomacy) استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح بڑی ریاستیں چھوٹی ریاستوں کو اشیاء کی فراہمی میں من مانی قیمت، تجارتی پابندیاں (Trade Sanctions)، داخلی سیاست میں دخل اندازی اور ایک لحاظ سے محکوم بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

خرید و فروخت کے اسلامی اصول

(Islamic Principles of Sale & Purchase)

خرید و فروخت اور دیگر تجارتی امور میں اسلام نے بھرپور رہنمائی فراہم کی ہے۔ اس ضمن میں واضح اصول و ضوابط سے روشناس کرایا گیا ہے۔ یہ اصول آفاقی، ہمہ وقتی اور حقیقی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی بھی حصہ میں یہ زیرِ عمل لائے جائیں تو ہمیشہ مثبت نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ آج اگر ان اصولوں کو اپنا لیا جائے تو دنیا سے تجارتی لوٹ کھسوٹ، سود، ارتکاز و احتکارِ دولت، مصنوعی کساد بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، اشیاء کی قلت اور مہنگائی جیسی معاشی برائیاں ختم کی جا سکتی ہیں۔

ذیل میں ہم اسلام کے متعین کردہ اصولوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔ ایجابی اقدامات (Positive Steps)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو جو شریعت دے کر بھیجا اس میں اچھے کام کا وجوب اور برے کاموں سے امتناع اہم پہلو ہیں۔ ذیل میں ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱) حقوق اللہ کی پاسداری (Observance of Allah's Rights)

شعبۂ تجارت میں بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تجارت کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی خیال رکھیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ.(۱)

’’جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ ونماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔‘‘

(۲) باہمی تعاون (Mutual Cooperation)

تجارت میں باہمی تعاون بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے لین دین کے تمام معاملات میں فریقین کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے۔ فروخت کرنے والا اور خریدار ایک دوسرے کی ضرورت پورا کرنے کی خاطر تجارتی معاملات کریں اور کسی بھی قسم کی زیادتی سے اجتناب کریں۔ قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.(۲)

---

(۱) الجمعۃ، ۶۲: ۹

(۲) المائدۃ، ۵: ۲

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا ضرر و لا ضرار.(۱)

’’نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔‘‘

(۳) باہمی رضامندی (Mutual Consent)

تجارتی معاملات میں حقیقی رضا اور جانبین کی رضامندی انتہائی ضروری امر ہے۔ بلا رضا و رغبت یا اضطراری رضامندی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.(۲)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی باہمی رضامندی کو ضروری قرار دیتے ہوئے جبر و اکراہ کی بیع کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ۲: ۷۸۴، رقم: ۲۳۴۱
۲۔ مالك، الموطأ، كتاب الأقضية، باب القضاء في المرفق، ۲: ۷۴۵، رقم: ۱۴۲۹
۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ٦٦، رقم: ۲۳۴۵

(۲) النساء، ۴: ۲۹

نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے جبر و زبردستی کی بیع سے منع کیا ہے۔‘‘

(۴) خوش گفتاری (Polite Conversation)

حضور نبی اکرم ﷺ نے خرید و فروخت میں نرم گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

۱۔ رحم الله رجلًا سمحًا إذا باع وإذا اشترى. (۲)

’’اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرے۔‘‘

۲۔ غفر الله لرجل كان قبلكم كان سهلًا، إذا باع سهلًا، إذا اشترى سهلًا. (۳)

’’اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرماتا ہے جو تمہارے (تمام معاشرے کے)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، ۳: ۲۵۵، رقم: ۳۳۸۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۷، رقم: ۱۰۸۵۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۷۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب السماحة في البيع، ۲: ۷۴۲، رقم: ۲۲۰۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۷، رقم: ۱۰۷۶۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في استقراض البعير أو الشيء من الحيوان أو السن، ۳: ۶۱۰، رقم: ۱۳۲۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴۰، رقم: ۱۴۶۹۹

لئے نرم ہو اور خرید و فروخت میں بھی نرم مزاج ہو۔‘‘

(۵) اشیائے تجارت کے عیوب و نقائص بتانا

(Disclosing the Defects of Trade Goods)

تجارتی مال میں اگر کوئی نقص یا عیب ہو تو فروخت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **من باع عيبًا لم يبينه، لم يزل في مقيت الله ولم تزل الملائكة تلعنه.** (۱)

’’جو شخص عیب دار چیز کو بیچے اور اس پر خریدار کو آگاہ نہ کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے اور فرشتے اس پر مسلسل لعنت کرتے رہیں گے۔‘‘

۲۔ دوسری روایت میں ہے:

المسلم أخو المسلم ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعًا فيه عيب إلا بينه له. (۲)

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ معیوب چیز کو فروخت کرے مگر یہ کہ اس کے سامنے عیب ظاہر کر دے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارت، باب من باع عيبًا فليبينه، ۲: ۷۵۵، رقم: ۲۲۴۷

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۶۵، رقم: ۱۵۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من باع عيبًا فليبينه، ۲: ۷۵۵، رقم: ۲۲۴۶

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۰، رقم: ۲۱۵۲

(۶) ناپ تول صحیح رکھنا (Accurate Weight & Measure)

تجارتی معاملات میں ناپ تول کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ناپ تول میں خرد برد دوسرے فریق کو خسارہ پہنچانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ہدایت فرمائی:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○(۱)

”اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہ (دیانتداری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے○“

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تو وزن کرنے والے کیلئے یہاں تک نصیحت فرمائی:

زن وأرجح.(۲)

”اصل وزن سے کچھ زیادہ کرو یا پورا کرو۔“

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

إذا وزنتم فأرجحوا.(۳)

”جب تم وزن کرو تو زیادہ کرو۔“

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع، باب ما جاء في الرجحان في الوزن، ۳: ۵۹۸، رقم: ۱۳۰۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في الرجحان في الوزن والوزن بالأجر، ۳: ۲۴۵، رقم: ۳۳۳۶

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب البیوع، باب الرجحان في الوزن، ۲: ۷۴۸، رقم: ۲۲۲۲

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۲۵۵، رقم: ۴۸۶۵

(۷) بولی دینا (Bidding)

بولی کے ذریعے مال خریدنا جائز ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کا کمبل اور پیالہ بولی کے ذریعے فروخت فرمایا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن رجلًا من الأنصار أتى النبي ﷺ يسأله، فقال: أما في بيتک شيء؟ قال: بلی، حلس، نلبس بعضه ونبسط بعضه وقعب نشرب فيه من الماء، قال: ائتني بهما. فأتاه بهما فأخذهما رسول الله ﷺ بيده وقال: من يشتري هذين؟ قال رجل: أنا آخذهما بدرهم، قال: من يزيد على درهم؟ مرتين أو ثلاثًا، قال رجل: أنا آخذهما بدرهمين، فأعطاهما إياه وأخذ درهمين وأعطاهما الأنصاري. (۱)

’’ایک انصاری مرد حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ عرض کیا: ایک ٹاٹ (کمبل) ہے جسے ہم کچھ بچھا لیتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ فرمایا: دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے آیا۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں اپنے ہاتھوں میں لیں اور فرمایا: یہ دو چیزیں کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ فرمایا کہ ایک سے زائد درہم میں کون لے

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب ما تجوز فيه المسألة، ۲: ۱۲۰، رقم: ۱۶۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب بيع المزايدة، ۲: ۷۴۰، رقم: ۲۱۹۸

گا؟ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے وہ چیزیں اسی کو دے دیں اور (اس سے) دو درہم لے کر انصاری کو دے دیئے۔‘‘

(۸) معاملہ کو تحریر میں لانا (Documentation)

تجارتی معاہدات، معاملات یا خرید و فروخت میں جہاں جھگڑا فساد کا ڈر ہو وہاں انہیں ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.(۱)

’’اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔‘‘

(۹) وعدوں کی پاسداری (Fulfillment of Promises)

تجارتی معاملات میں کیے گئے معاہدوں میں ایفائے عہد لازمی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○(۲)

’’اور وعدہ پورا کیا کرو، بیشک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی ○‘‘

۲۔ امتناعی اصول (Prohibitory Principles)

خرید و فروخت میں درج ذیل رویئے نہ صرف حرام ہیں بلکہ شدت کے ساتھ ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن طریقوں یا رویوں کو اپنانے سے منع کیا گیا

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۲

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴

ہے ان میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں:

(۱) قسمیں کھانا (Taking Oaths)

سودا بیچتے وقت قسمیں کھانے سے گریز کرنا ضروری ہے۔ قسمیں کھا کھا کر سودا بیچنا دھوکہ دہی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیع میں قسمیں کھانے سے متعلق فرمایا:

۱۔ **إياكم وكثرة الحلف في البيع فإنه ينفق ثم يمحق.**(۱)

”خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کیونکہ اس سے مال تو بک جاتا ہے لیکن پھر برکت مٹ جاتی ہے۔“

۲۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

الحلف منفقة للسعة ممحقة للبركة.(۲)

”قسمیں کھانے سے سودا تو بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہو جاتی ہے۔“

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب النهي عن الحلف في البيع، ۳: ۱۲۲۸، رقم: ۱۶۰۷
۲۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب المنفق السلعته بالحلف الكاذب، ۷: ۲۴۶، رقم: ۴۴۶۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب ما يكره الحلف في البيع، ۲: ۷۳۵، رقم: ۱۹۸۱
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب النهي عن الحلف في البيع، ۳: ۱۲۲۸، رقم: ۱۶۰۶
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في كراهية اليمين في البيع، ۳: ۲۴۵، رقم: ۳۳۳۵

(۲) حرام اشیاء کی تجارت (Trading of Unlawful Commodities)

جو اشیاء اسلام نے حرام قرار دی ہیں ان کو مالِ تجارت بنانا یا ان کی خرید و فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ ان میں اشیائے خمر (شراب، افیون، ہیروئن وغیرہ)، جوا کرانا، لاٹری، سٹہ بازی، قحبہ گری، سودی لین دین، اخلاق سوز فلمیں اور آڈیو وڈیو کیسٹیں، آلاتِ موسیقی، گانے بجانے کے سکول یا اکیڈمیاں، اخلاق سوز ناول، کتابیں اور رسالے وغیرہ شامل ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ کَبِيْرٌ. (۱)

’’آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إن اللہ ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام. (۲)

’’اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ۲: ۷۷۹، رقم: ۲۱۲۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب تحرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، ۳: ۱۲۰۷، رقم: ۱۵۸۱

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب البيوع، باب ما جاء في بيع جلود الميتة والأصنام، ۳: ۵۹۱، رقم: ۱۲۹۷

www.MinhajBooks.com

۲۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

إن اللہ إذا حرم شيئًا حرم ثمنه.(۱)

''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔''

(۳) فساد افزوں تجارت (Trade Causing Disputes)

۱۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان الناس في عهد رسول اللہ ﷺ يتبايعون الثمار، فإذا جد الناس وحضر تقاضيهم، قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات يحتجّون بها، فقال رسول اللہ ﷺ: لمّا كثرت عنده الخصومة في ذلک: فإمّا لا، فلا يتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر. کالمشورة يشير بها لکثرة خصومتهم.(۲)

''عہدِ نبوی ﷺ میں لوگ پھلوں کو (پکنے سے پہلے ہی) بیچ دیا کرتے جب لوگ پھل کاٹنے لگتے اور (قیمت) وصول کرنے کا وقت آتا تو خریدار کہتا کہ پھل پر دمان، مراض یا قشام (پھلوں کی بیماریاں) آ گئی اور اس وجہ سے خریدار قیمت میں کمی کرانا چاہتا تھا (یا وہ بالکل قیمت ادا نہ کرنا چاہتا اور فروخت کرنے

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۳۱۲، رقم: ۴۹۳۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۳، رقم: ۲۶۷۸
۳۔ طبراني، المعجم الکبير، ۱۲: ۲۰۰، رقم: ۱۲۸۸۷
۴۔ دار قطني، السنن، ۳: ۷، رقم: ۲۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، ۲: ۷۶۵، رقم: ۲۰۸۱
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، ۳: ۲۵۳، رقم: ۳۳۷۲
۳۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۳، رقم: ۳۸

والا اس بات پر تیار نہ ہوتا تھا) جب بارگاہِ نبوی ﷺ میں اس طرح کے بہت سے جھگڑے پیش ہونے لگے تو آپ ﷺ نے لوگوں سے بطور مشورہ ارشاد فرمایا کہ تم پھل کو اس وقت تک فروخت نہ کیا کرو جب تک کہ اس کی بہتری کی کیفیت کا علم نہ ہو کیونکہ وہ لوگ اس سلسلہ میں بہت سے اختلافات و نزاعات کرنے لگے تھے۔‘‘

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن النبي ﷺ نهی عن بيع السنين. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے کئی سالوں کے لئے (درختوں کے پھل) فروخت کرنے سے منع فرمایا۔‘‘

اس حدیث کی وضاحت میں شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ذلک لترتفع المناقشة بقدر الإمکان. (۲)

’’یہ (ممانعت) اس لئے ہے تاکہ حتی المقدور لڑائی جھگڑے کو ختم کیا جاسکے۔‘‘

(۴) دھوکہ دہی (Deceiving)

اچھا مال دکھا کر خراب مال یا گھٹیا درجے کا مال دینا سراسر دھوکہ ہے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب البيوع، باب کراء الأرض، ۳: ۱۱۷۸، رقم: ۱۵۳۶

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في بيع السنين، ۳: ۲۵۴، رقم: ۳۳۷۴

۳۔ نسائي، السنن، کتاب البيوع، باب بيع السنين، ۷: ۲۹۴، رقم: ۴۶۲۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب بيع الثمار سنين والجائحة، ۲: ۷۴۷، رقم: ۲۲۱۸

(۲) شاه ولي الله حجة الله البالغه، ۲: ۱۱۳

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔‘‘

ایسی تجارت جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ، فریب، خیانت اور معصیت کا دخل ہو اس کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

۲۔ آپ ﷺ سے افضل ترین کمائی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عمل الرجل بيده و كل بيع مبرور. (۲)

’’آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام اور بیع مبرور (افضل ترین کمائی ہے)۔‘‘

بیع مبرور کی وضاحت کرتے ہوئے عبدالرحمٰن الجزیری (م ۱۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

والبيع المبرور هوالذي يبر فيه صاحبه فلم يغش ولم يخن ولم يعص الله فيه. (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، ۳: ۱۱۵۳، رقم: ۱۵۱۳

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع الغرر، ۳: ۵۳۲، رقم: ۱۲۳۰

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في بيع الغرر، ۳: ۲۵۴، رقم: ۳۳۷۶

۴۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب بيع الحصاة، ۷: ۲۶۲، رقم: ۴۵۱۸

۵۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب النهي عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر، ۲: ۷۳۹، رقم: ۲۱۹۴

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۱۴۰

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۲، رقم: ۲۱۵۸

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۶۳، رقم: ۱۰۱۷۷

(۳) ۱۔ جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۲: ۱۵۳

۲۔ شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

’’اور بیع مبرور ایسی تجارت کو کہتے ہیں جو دھوکہ، خیانت اور اللہ کی معصیت سے پاک ہو۔‘‘

٣۔ اسی طرح بعض تاجر گاؤں دیہات میں جا کر وہاں کے لوگوں سے ان کی لاعلمی کی وجہ سے کم نرخوں پر مال خرید لیتے ہیں اور شہروں میں لا کر بھاری داموں فروخت کرتے ہیں یہ بھی دھوکہ ہے۔ اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تلقوا الركبان ولا يبيع حاضر لباد. (١)

’’سامان والوں کو آگے جا کر نہ ملو (یہاں تک کہ اسے بازار میں لایا جائے) اور کسی بھی شہری کے لئے دیہاتی سے (دھوکہ دے کر کوئی بھی چیز) خریدنا جائز نہیں۔‘‘

اسی طرح جعلی کرنسی نوٹ دینا یا ان کا کاروبار کرنا بھی دھوکہ دہی کے زمرہ میں آتا ہے۔

(۵) بیع پر بیع کرنا (Compound Sale)

فریقین کے درمیان طے شدہ بیع کو خراب کرنے کی غرض سے قیمت بڑھا دینا ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يبع الرجل على بيع أخيه، ولا يخطب على خطبة أخيه، إلا أن يأذن له. (٢)

---

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب هل يبيع حاضر لباد بغير أجر وهل يعينه أو ينصحه، ٢: ٧٥٧، رقم: ٢٠٥٠
٢۔ نسائي، السنن الكبرى، ٤: ١٢، رقم: ٦٠٨٧
٣۔ مالك، الموطأ، كتاب البيوع، باب ما ينهى عنه من المساومة والمبايعة، ٢: ٦٨٣، رقم: ١٣٦٦

(٢) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو ترك، ٢: ١٠٣٢، رقم: ١٤١٢

''آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کی منگنی پر (اپنی) منگنی کرے مگر جب وہ اس کی اجازت دے۔''

(٦) اشیاء کی غیر موجودگی میں بیع کرنا (Trade in Absent Goods)

خرید و فروخت کے وقت شے کی موجودگی بہت سے آنے والے منفی معاملات سے محفوظ کرتی ہے۔ غیر موجود اشیاء کی بیع کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تبع ما ليس عندك.(۱)

''تو ایسی چیز نہ بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے۔''

(٧) قرض کی قرض سے بیع (Trade in Debt by Debt)

قرض کی قرض سے بیع ناجائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أن النبی ﷺ نهى عن بيع الكالئ بالكالئ (أي الدين بالدين).(۲)

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه ولا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن له أو ترك، ۲: ۷۵۲، رقم: ۲۰۳۳

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه، ۳: ۴۴۰، رقم: ۱۱۳۴

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك، ۳: ۵۳۴، رقم: ۱۲۳۲

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الإجارة، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ۳: ۲۸۳، رقم: ۳۵۰۳

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۳۹، رقم: ۶۲۰۴

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۹۰، رقم: ۱۰۳۱۶

۲۔ مالك، الموطأ، كتاب البيوع، باب جامع بيع الثمر، ۲: ۶۲۸، ۱۲۹۶

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۹۰، رقم: ۱۴۴۴۰

”حضور نبی اکرم ﷺ نے قرض کی قرض سے فروخت کو منع فرمایا۔“

(۸) باطل اقسام البیوع سے اجتناب

(Abstainig from invalid forms of Trade)

فقہاء کرام نے کتبِ فقہ میں ناجائز اور حرام بیوع کی مختلف اقسام قلمبند کی ہیں۔ ان سب کی بنیاد بالواسطہ یا بلا واسطہ ”بیع الغرر“ ہے۔ غرر کی تعریف یوں کی گئی ہے:

۱۔ امام سرخسی (م ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء) لکھتے ہیں:

الغرر: ما يكون مستور العاقبة. (۱)

”وہ (چیز) جس کا انجام پوشیدہ ہو۔“

۲۔ امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) بیان کرتے ہیں:

لا يدري البائع أي شيء هو الذي باع ولا يدري المشتري أي شيء اشترى. (۲)

”غرر یہ ہے کہ بیچنے والے کو علم نہ ہو کہ وہ کونسی چیز بیچ رہا ہے اور نہ ہی خریدنے والے کو علم ہو کہ وہ کیا خرید رہا ہے۔“

۳۔ علی بن محمد الجرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) کہتے ہیں:

الغرر: ما يكون مجهول العاقبة لا يدري أيكون أم لا. (۳)

”غرر سے مراد وہ شے ہے جس کا انجام نا معلوم ہو اور (بائع و مشتری دونوں میں سے) کوئی بھی نہ جانتا ہو کہ مبیع (صحیح حالت میں) ہوگی یا نہیں۔“

---

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۲: ۱۹۴

(۲) ابن حزم، المحلی، ۸: ۴۳۰

(۳) جرجاني، التعريفات: ۲۰۸

محولہ بالا اور ایسی ہی دیگر فقہاء کی تعریفات پڑھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان اقسام کی بیوع میں کوئی خطر موجود ہے، شاید ہو اور شاید نہ ہو کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان بیوع میں دھوکہ، فریب، جبر و اکراہ اور استحصال کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء نے بیع الغرر کو ناجائز قرار دیا ہے۔

غرر کی بنیاد پر بے شمار انواع البیوع فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں، اس طرح وہ سب وجودِ غرر کے سبب غیر صحیح اور حرام ہو جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی تمام اقسام البیوع کو منسوخ فرما دیا تھا، چنانچہ ضروری ہے کہ آج کل کے دور میں بھی ان سے قطعی اجتناب کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com

شراکت (Partnership)

لغوی تحقیق

عربی زبان کے لفظ ’’شرکۃ‘‘ کا مادہ ’’ش۔ ر۔ ک‘‘ ہے جو اپنی مختلف بناوٹوں کے ساتھ ملتے جلتے معانی میں مستعمل ہے۔ مثلاً:

شَرِکَ ......شریک بنے یا کسی کو اپنے کام میں شریک کرنا

شَارَکَ ...... باہم شریک ہونا

اَلشَّرِیْک ......شریک، حصہ دار، ساجھی

اِشْتِرَاک ......مل جانا

اَلْمُشْتَرَک ...... وہ چیز جس میں دو یا کئی کی شرکت ہو

اَلْمُشَارَکَۃ ...... باہم شریک ہونا اور ایک دوسرے کا حصہ دار بننا

اَلشَّرِکَۃ......شریک ہونا

مذکورہ بالا بنیاد پر اردو میں لفظ ’’شراکت‘‘ مستعمل ہے جو اپنے اندر متذکرہ بالا معنی اور مفہوم رکھتا ہے۔ لغوی اعتبار سے ’’شرکت‘‘ کی یوں تعریف کی گئی ہے:

۱۔ الشركة: هي اختلاط النصيبين فصاعداً بحيث لا يتميز، ثم أطلق اسم الشركة على العقد وإن لم يوجد اختلاط النصيبين.(۱)

(۱) ۱۔ جرجاني، التعريفات: ۱۶۵

۲۔ سعدي، القاموس الفقهي: ۱۹۵

''دو یا زیادہ حصوں کا اس طرح باہم مخلوط ہو جانا کہ اس میں تمیز نہ ہو۔ پھر اس کا اطلاق ایک عقد پر ہونے لگا بشرطیکہ اس میں دو حصے مخلوط نہ پائے جائیں۔''

اسی طرح القاموس الفقهي میں ہے:

٢۔ الشركة: عقد بين اثنين، فأكثر، للقيام بعمل مشترك. (١)

''دو افراد یا زیادہ کے درمیان ایک مشترک کام کرنے کا معاملہ شرکت کہلاتا ہے۔''

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی اعتبار سے شرکت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

١۔ الشركة: هي الاجتماع في استحقاق أو تصرف. (٢)

''شرکت استحقاق اور تصرف میں جمع ہونے کا نام ہے۔''

٢۔ الشركة: تقرر مستمول بين المالكين فأكثر ملكا فقط. (٣)

''دو یا زیادہ مالکان کے درمیان کسی متقوم چیز کی ملکیت کا مقرر ہو جانا شرکت کہلاتا ہے۔''

محولہ بالا تعریفات کے بنیادی تصور کو سامنے رکھ کر ''شرکت'' کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

''دو یا دو سے زائد افراد کا کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں معین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔''

www.MinhajBooks.com

---

(١) سعدي، القاموس الفقهي: ١٩٥

(٢) ابن قدامه، المغني، ٥: ٣

(٣) محمد بن ابراهيم، شركة الأشخاص بين الشريعة والقانون: ٢٤

شرعی حیثیت

شرکت اجتماعی سرمایہ کاری کا بڑا پرانا کاروباری طریقہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے متمدن عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا، اس کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے پسند فرمایا اور اسے جاری رکھا۔ صاحب الہدایہ کے قول کے مطابق:

الشركة جائزة، لأنه ﷺ بعث والناس كانوا يتعاملون بها فقررهم عليها.[1]

''شراکتی سرمایہ کاری جائز ہے کیونکہ جب حضور نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو لوگ اس طریقہ سے کاروبار کرتے تھے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔''

(۱) قرآن مجید میں

۱۔ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ.[2]

''اور اگر انہیں (نفقہ و کاروبار میں) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔''

۲۔ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ.[3]

''اور اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔''

۳۔ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِیۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِيۡنَ

---

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۰

(۳) النساء، ۴: ۱۲

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ. [۱]

''اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔''

۴۔ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ [۲]

''اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ایسے (غلام) شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ایسے لوگ شریک ہوں جو بداخلاق بھی ہوں اور باہم جھگڑالو بھی۔ اور (دوسری طرف) ایک ایسا شخص ہو جو صرف ایک ہی فرد کا غلام ہو، کیا یہ دونوں (اپنے) حالات کے لحاظ سے یکساں ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (حقیقتِ توحید کو) نہیں جانتے○''

۵۔ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا○ [۳]

''سوتم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ حلال اور پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور اسے چاہیئے کہ (آنے جانے اور خریدنے میں) آہستگی اور

(۱) ص، ۳۸: ۲۴

(۲) الزمر، ۳۹: ۲۹

(۳) الکهف، ۱۸: ۱۹

نرمی سے کام لے اور کسی ایک شخص کو (بھی) تمہاری خبر نہ ہونے دے٥‘‘

۶۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ٥ هٰرُوْنَ اَخِي٥ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ٥ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ٥(۱)

’’اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا دے٥ (وہ) میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو٥ اس سے میری کمرِ ہمت مضبوط فرما دے٥ اور اسے میرے کارِ (رسالت) میں شریک فرما دے٥‘‘

۷۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ٥(۲)

’’اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی وہ دن (جب میدان بدر میں مومنوں اور کافروں کے) دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے٥‘‘

(۲) احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

۱۔ عن أبي هريرة رفعه قال: إن الله يقول: أنا ثالث الشريكين ما

(۱) طٰهٰ، ۲۰: ۲۹۔ ۳۲

(۲) الانفال، ۸: ۴۱

لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان خرجت من بينهما.(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں دو شریکوں میں تیسرا ہوں جب تک کہ ایک دوسرے سے خیانت نہیں کرتا۔ جب ایک دوسرے سے خیانت کرتا ہے تو میں درمیان میں سے نکل جاتا ہوں۔‘‘

۲۔ روی عن النبي ﷺ أنه قال: يد الله على الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان أحدهما صاحبه رفعها عنهما.(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ساجھی داروں (Parteners) کے ساتھ رہتا ہے جب تک کوئی دوسرے سے خیانت نہ کرے۔ پس اگر وہ خیانت کرے گا تو وہ (ہاتھ) ان سے اٹھ جائے گا۔‘‘

۳۔ عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ قال: أيكم كانت له أرض أو نخل فلا يبعها حتى يعرضها على شريكه.(۳)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في الشركة، ۳: ۲۵۶، رقم: ۳۳۸۳
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۲۰، رقم: ۲۳۲۲
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۷۸، رقم: ۱۱۲۰۶

(۲) ۱۔ دارقطني، السنن، ۳: ۳۵، رقم: ۱۴۰
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۶۹، رقم: ۲۷۶۲

(۳) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب الشركة في النخيل، ۷: ۳۱۹، رقم: ۴۷۰۰
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۶۱، رقم: ۶۲۹۹
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۰۷، رقم: ۱۴۳۳۱

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے پاس زمین یا کھجور کا درخت ہو تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک وہ اپنے شریک سے پوچھ نہ لے۔“

۴۔ عن السائب رضی اللہ عنہ قال: أتيت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجعلوا يثنون عليّ ويذكروني فقال: رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنا أعلمكم يعني به. قلت: صدقت بأبي أنت وأمي كنت شريكي فنعم الشريک كنت لا تداري ولا تماري.(۱)

”حضرت سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو لوگ میری تعریف کر رہے تھے اور میرا ذکر ہو رہا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں انہیں تمہاری نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ میں عرض گزار ہوا کہ آپ ہی بمنزلہ میرے ماں باپ کے ہیں! آپ نے سچ فرمایا۔ آپ (زمانۂ جاہلیت میں) میرے ساجھی (اور کاروباری شریک) تھے اور کیا ہی اچھے ساجھی تھے کہ آپ نے کبھی لڑائی جھگڑا نہیں کیا تھا۔“

۵۔ عن عبد الله قال اشتركت أنا وعمار وسعد فيما نصيب يوم بدر قال: فجاء سعد بأسيرين، ولم أجيء أنا وعمار بشيء.(۲)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في كراهية المراء، ۴: ۲۶۰، رقم: ۴۸۳۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الشركة والمضاربة، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۸۷

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۱۴۵، رقم: ۱۵۲۲

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في الشركة رأس مال، ۳: ۲۵۷، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب شركة الأبدان، ۷: ←

’’حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سعد، عمار اور میں نے بدر کی لڑائی کے دن آپس میں اس بات پر شرکت کر لی کہ جس کو جو کچھ ملے گا وہ ہم سب میں مشترک ہوگا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سعد کو دو قیدی ملے لیکن مجھے اور عمار کو کچھ نہ ملا۔‘‘

ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لا يخفى على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وقد أقرهم عليه وقال أحمد بن حنبل: أشرک بينهم النبي صلى الله عليه وآله وسلم. (۱)

’’اس (معاہدۂ شرکت) پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہیں ہوئے اور ان کو اس شرکت پر مقرر رکھا بلکہ بقول امام احمد بن حنبل: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔‘‘

۶۔ عن أبي هريرة قال: قالت الأنصار للنبي صلى الله عليه وآله وسلم: اقسم بيننا وبين إخواننا النخيل. فقال: لا. فقالوا: تكفوننا المؤونة ونشرككم في الثمرة، قالوا: سمعنا وأطعنا. (۲)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم کر دیجئے، آپ نے فرمایا: ’’نہیں‘‘۔ (انصار نے مہاجرین سے کہا:)

...... ۵۷، رقم: ۳۹۳۷

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۶۵، رقم: ۳۶۷۳۸

۴۔ دارقطني، السنن، ۳: ۳۴، رقم: ۱۳۸

(۱) ۱۔ ابن قدامه، المغني، ۵: ۴

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب إذا قال اكفني مؤونة النخل أو غيره وتشركني في الثمر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰

تم محنت کرو اور ہم صرف پھل میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔ مہاجرین کہنے لگے: ہم دل و جان سے راضی ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے نہ صرف شرکت کا جواز ملتا ہے بلکہ اس کی ترغیب، فضیلت اور اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں علماء و فقہائے امت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ شرکت ایک جائز معاملہ ہے جس کی بنیاد پر بزنس کیا جا سکتا ہے، چنانچہ کثیر التعداد مسلم سکالرز نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے لے کر عصرِ حاضر تک تجارت بر اصول شرکت ہو رہی ہے۔

کسی بھی عالم یا فقیہہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا شرکت کی مشروعیت اجماعِ امت سے بھی ثابت ہوتی ہے، ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) رقمطراز ہیں:

أجمع المسلمون علی جواز الشرکة في الجملة.[۱]

’’تمام مسلمانوں نے شرکت کے جواز میں ہر فی الجملہ اجماع تسلیم کیا ہے۔‘‘

اَقسامِ شراکت (Kinds of Partnership)

فقہاء نے شرکت کو دو بڑی اقسام میں منقسم کیا ہے:

۱۔ شرکتِ املاک (Joint Ownership)

۲۔ شرکتِ عقود (Joint Agreements)

الہدایہ میں ہے:

الشرکة ضربان: شرکة أملاک وشرکة عقود.[۲]

---

(۱) ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

(۲) ۱۔ مرغیناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

۲۔ ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

”شرکت کی دو قسمیں ہیں: شرکتِ املاک اور شرکتِ عقود۔“

۱۔ شرکت املاک (Joint Ownership)

۱۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) شرکت املاک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شركة الأملاک: العين يرثها رجلان أو يشتريانها.[1]

”شرکتِ املاک ایسے مالِ عین میں ہے جس کے دو شخص وارث ہوں یا دونوں اسے خریدیں۔“

۲۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) شرکتِ املاک کی وضاحت کرتے ہوئے ”الوجیز“ میں رقمطراز ہیں:

شركة الملک أن يكون الشيء مشتركاً بين اثنين أو أكثر بسبب من أسباب التملک كالشراء والهبة والوصية والإرث أو خلط الأموال أو اختلاطها بصورة لا تقبل التميز والتفريق.[2]

”شرکتِ ملک یہ ہے کہ کوئی چیز دو یا زیادہ اشخاص کے درمیان بذریعہ خریداری، ہبہ، وصیت یا وراثت ملکیت میں آ جائے اور احوال اس طرح مخلوط ہو جائیں کہ ان میں کوئی تفریق اور امتیاز باقی نہ رہے۔“

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب دو یا زیادہ افراد کسی شے کو مشترکہ طور پر خریدنے یا تحفہ میں ملنے یا میراث کی وجہ سے مالک ہو جائیں تو یہ شرکت املاک کہلائے گی۔

حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتیبِ فکر کے علماء و فقہاء نے شرکتِ املاک کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۲) غزالي، الوجيز، ۱: ۱۴۶

٢۔ شرکتِ عقود (Joint Agreements)

عقود کا واحد ’’عقد‘‘ ہے جو اپنے اندر ’’بندھنے یا باندھنے‘‘ کے معانی لیے ہوئے ہے۔

١۔ امام راغب اصفہانی (م ٥٠٢ھ / ١١٠٨ء) لکھتے ہیں:

العقد: الجمع بين أطراف الشيء ...... كعقد الحبل. (١)

’’العقد کے معنی کسی چیز کے اطراف کو جمع کر دینے یعنی گرہ باندھنے کے ہیں ...... جیسے رسی کو گرہ باندھنا۔‘‘

٢۔ تاج العروس میں عقد کا درج ذیل معنی بیان ہوا ہے:

عقد: عقد الجبل والبيع والعهد يعقده عقداً. (٢)

’’عقد کے معنی ہیں رسی کی گرہ، خرید وفروخت، عہد، باندھنا، بندھن۔‘‘

٣۔ امام عسقلانی (٧٧٣۔٨٥٢ھ) شرکتِ عقد کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

شركة العقد: ما يحدث بالاختيار بين اثنين فصاعدًا من الاختلاط لتحصيل الربح. (٣)

’’شرکتِ عقد یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد کا اپنے اختیار سے منافع حاصل کرنے کے لئے کوئی اختلاط وجود میں لانا۔‘‘

٤۔ ابن قدامہ (م ٦٢٠ھ) رقمطراز ہیں:

---

(١) اصفهاني، مفردات الفاظ القرآن: ٥٧٦

(٢) زبيدي، تاج العروس، ٥: ١١٥

(٣) عسقلاني، فتح الباري، ٥: ١٢٩

شركة العقد: هي الاجتماع في الاستحقاق أو تصرف.(۱)

''شرکتِ عقد استحقاق یا تصرف میں اجتماع کا نام ہے۔''

۵۔ شرکتِ عقود کی وضاحت کرتے ہوئے المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

والضرب الثاني شركة العقود وركنها الإيجاب والقبول. وهو أن يقول أحدهما شاركتک في كذا وكذا ويقول الآخر قبلت.(۲)

''دوسری قسم شرکت عقود ہے اور اس کا رکن ایجاب و قبول ہے وہ اس طرح کہ ایک کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں اور فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔''

۶۔ ابن عابدین شامی (۱۱۹۸۔۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

شركة العقد: هي عبارة عن العقد بين المتشاركين في الأصل والربح.(۳)

''شرکتِ عقد دو شریکوں کے درمیان اصل سرمائے اور منافع میں شرکت کا معاملہ کرنے کا نام ہے۔''

۷۔ احمد بن محمد دردیری (م ۱۲۰۱ھ) کے نزدیک شرکتِ عقد کی تعریف درج ذیل ہے:

الشركة العقد مالكى مالين فأكثر على التجر فيهما معا، أو على عمل بينهما، والربح بينهما.(۴)

www.MinhajBooks.com

(۱) ابن قدامه، المغني، ۵: ۳
(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳
(۳) ابن عابدين، رد المحتار على در المختار، ۳: ۳۶۴
(۴) دردیري، الشرح الصغير على أقرب المسالك، ۳: ۴۵۵

”شرکتِ عقد، دو اموال کے دو یا زیادہ مالکان کے درمیان اس معاہدے کا نام ہے کہ وہ دونوں کے مشترک مال سے تجارت کریں گے یا اس معاہدے کا کہ وہ دونوں مل کر کوئی کام کریں گے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔“

گویا دو یا زائد افراد کا آپس میں معاہدہ کہ کاروبار میں سرمایہ اور نفع و نقصان مشترک ہوگا۔ اس طرح ایک فریق کہے گا کہ میں نے اس معاملہ میں شرکت کی اور دوسرا کہے گا کہ میں نے قبول کیا۔ شرکت عقد میں نفع میں کمی بیشی کے ساتھ بھی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن نقصان راس المال کے مطابق تقسیم ہوگا۔

شرکتِ عقد کی اقسام (Kinds of Joint Agreement)

مسلم علماء و فقہاء نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے شرکتِ عقد کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ ان میں مشترک اور اہم اقسام کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) شرکتِ مفاوضہ (Equal Partnership)

مفاوضہ سے مراد ہے:

۱۔ المفاوضة: إنها المساواة في اللغة.[۱]

”مفاوضہ لغت میں مساوات کو کہتے ہیں۔“

۲۔ مفاوضة من التفويض بمعنى المساواة في كل شيء.[۲]

”مفاوضہ، تفویض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہر چیز میں مساوات یعنی برابری۔“

۳۔ المفاوضة: الاشتراک في كل شيء كالتفاوض والمساواة

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ۶: ۵۸

(۲) ابن عابدين، رد المحتار علی در المختار، ۳: ۳۶۹

والمجاراة في الأمر. (۱)

''مفاوضہ، ہر چیز میں اشتراک اور مساوات سے عبارت ہے جیسے معاملات میں مساوات اور ایک دوسرے کو تفویض کرنے میں برابری۔''

۴۔ شركة المفاوضة: فهي أن يشترک الرجلان فيتساويان في مالهما وتصرفهما و دينهما. (۲)

''شرکتِ مفاوضہ یہ ہے کہ دو شخص آپس میں شرکت کریں اور وہ دونوں اپنے مال، تصرف اور دین میں برابر ہوں۔''

۵۔ مال، تصرف اور دین کی وضاحت میں المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) مزید لکھتے ہیں:

المال: والمراد به ما تصح الشركة فيه، ولا يعتبر التفاضل فيما لا يصح الشركة فيه. وكذا في التصرف لأنه لو ملک أحدهما تصرفاً لا يملک الآخر لفات التساوى. وكذلک في الدين. (۳)

''**مال** سے مراد وہ مال جس میں شرکت صحیح ہو لہٰذا جس مال میں شرکت صحیح نہ ہو، تو اس میں آپس میں کمی وبیشی ہونا معتبر نہیں۔

تصرف میں بھی مساوات ضروری ہے کیونکہ اگر ایک فریق کو ایسے تصرف کا اختیار ہو جو دوسرے کو نہیں تو مساوات نہیں رہے گی۔

دین میں بھی شرط مساوات ہے (کیونکہ غیر مسلم ان امور کی پابندی نہیں کرسکتا جو اس کے لئے ضروری ہیں)۔''

(۱) فيروز آبادي، القاموس المحيط، ۲: ۳۵۳

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۳) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۴

٦۔ کاسانی (م ٥٨٧ھ) لکھتے ہیں:

سمي هذا النوع من الشركة مفاوضة لاعتبار المساواة فيه في رأس المال والربح والتصرف وغير ذلک. وقيل هي من التفويض لأن كل واحد منهما يفوض التصرف إلى صاحبه على كل حال. (١)

’’اس قسم کو شرکتِ مفاوضہ کہا جاتا ہے کیونکہ مساوات کے اس اعتبار سے اصل سرمایہ، نفع، تصرف اور اس کے علاوہ ہر چیز میں مساوات ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مفاوضہ تفویض کے معنی میں ہے، اس لیے کہ دونوں شرکاء میں سے ہر ایک ہر حالت میں اپنے ساتھی کو تصرف کا حق دے دیتا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے:

مفاوضہ کا معنی مساوات، برابری اور باہمی تفویض ہے۔ اس نسبت سے شرکت مفاوضہ وہ شرکت کہلاتی ہے جس میں تمام شرکاء، سرمایہ، کاروباری ذمہ داریاں، تصرفات اور نفع ونقصان میں برابر ہوتے ہیں اس میں ہر شریک اپنے ساتھی کی جانب شرکت کے معاملات کو علی الاطلاق تفویض کر دیتا ہے، اس طرح اس میں وکالت اور کفالت دونوں ہوتی ہیں۔

(٢) شرکت عنان (Equal Investment)

عنان سے مراد ہے:

١۔ عنان: إنه مأخوذ من العن وهو الإعراض. (٢)

’’عنان ’’عن‘‘ سے مشتق ہے جس کا معنی ظاہر ہونا، منہ موڑنا، پیش کرنا، ظاہر

(١) كاساني، بدائع الصنائع، ٦: ٥٨

(٢) كاساني، بدائع الصنائع، ٦: ٥٧

کرنا وغیرہ ہے۔‘‘

۲۔ وقیل هو مأخوذ من عنان الفرس أن يكون بأحدى يديه ويده الأخرى مطلقة يفعل بها ما يشاء.

أو لأن كل واحد منهما جعل عنان التصرف في المال المشترک.(۱)

’’بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ’’عنان الفرس‘‘یعنی گھوڑے کی لگام سے ماخوذ ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک کے ہاتھ میں باگ ہوتی ہے اور دوسرا ہاتھ آزاد ہوتا ہے، اس کے ساتھ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یا اس وجہ سے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کے لئے مشترک مال میں تصرف کی رسی کو تھامے ہوئے ہے۔‘‘

۳۔ عنان: اللفظ مشتق من الإعراض يقال عن له: أي عرض.(۲)

’’عنان لفظ اعراض سے مشتق ہے (جس کے معنی منہ موڑنے کے ہیں) بطور کہاوت کہا جاتا ہے عن له یعنی اس سے منہ موڑو۔‘‘

۴۔ إنها اشتراک في مال ليتجرا فيه وهي صحيحة بالإجماع ولسلامتها من سائر أنواع الغرر.(۳)

’’شرکتِ عنان مال میں اشتراک ہے تاکہ وہ دونوں مل کر تجارت کریں، یہ بالاجماع صحیح ہے اس لیے کہ یہ ہر قسم کے دھوکے اور فریب سے محفوظ ہے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

---

(۱) کاساني، بدائع الصنائع، ۶: ۵۷

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۷

(۳) محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، ۵: ۴

۵۔ شركة العنان: فهو أن يخرج كل واحد من الشريكين دنانير أو دراهم مثل ما يخرج صاحبه ويخلطاها، ويأذن كل واحد منهما لصاحبه بأن يتجر فيه.[۱]

''شرکتِ عنان یہ ہے کہ دونوں شرکاء میں سے ہر ایک اتنے ہی دینار یا درہم الگ نکالے جتنے کہ اس کا دوسرا ساتھی نکالتا ہے اور وہ ان دونوں کو مخلوط کر دیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اس میں تجارت کرنے کی اجازت دے۔''

۶۔ لم تختلف الفقهاء في جوازه وأنهما إن ربحا في المالين فبينهما، وإن وضعا فعلى رأس مال كل واحد منهما.[۲]

''شرکتِ عنان کے جواز میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں اگر دونوں ساتھی دونوں اموال میں نفع حاصل کریں تو وہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے اور اگر دونوں نقصان اٹھائیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے سرمائے کے مطابق نقصان ہو گا۔''

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ معلوم ہوا کہ شرکتِ عنان میں دو یا دو سے زائد افراد کسی خاص نوع کی تجارت یا ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وکیل تو رہتے ہیں لیکن ضامن اور کفیل نہیں ہوتے اس طرح ہر حصہ دار دوسرے کی جگہ یا دوسرے کے لئے کاروبار تو کرے گا مگر ہر شریک کے کاروباری تصرفات (مثلاً سودا کرنا، قرض کا لین دین یا دیگر ادائیگی وغیرہ) کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

(۳) شرکتِ صنائع (Participation in Manufacturing)

ایسی تجارت جس میں چند ہم پیشہ افراد شریک ہوں اور نفع ونقصان کے ذمہ دار

(۱) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۱۳: ۲۹۲

(۲) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۱۳: ۲۹۳

ہوں ''شرکت صنائع'' کہلاتی ہے، علامہ کاسانی (م۵۸۷ھ) کے نزدیک اس کے تین نام مزید بھی ہیں:

۱۔ **تسمی شركة الأبدان وشركة بالأعمال وشركة بالتقبّل.** (۱)

''اسے شرکتِ ابدان، شرکتِ اعمال اور شرکتِ تقبل یا قبول بھی کہتے ہیں۔''

۲۔ شرکتِ صنائع کی وضاحت المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وتسمى شركة التقبل، كالخياطين والصبّاغين يشتركان على أن يتقبلا الأعمال ويكون الكسب بينهما. (۲)

''شرکتِ صنائع کو شرکتِ تقبل (یعنی کام قبول کرنا) بھی کہتے ہیں جیسے دو درزیوں یا دو رنگ ریزوں نے اس شرط پر باہم شرکت کی کہ لوگوں کے کام قبول کریں اور جو کمائی ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔''

(۴) شرکتِ وجوہ (Credibility)

شرکتِ وجوہ کی بنیاد اعتبار، اعتماد، ساکھ، امانت یا اثر و رسوخ پر ہے یہ ایسی سرمایہ کاری ہے جس میں سرمایہ کے بغیر چند افراد اپنی اعتباری صلاحیت یا کاروباری ساکھ کی وجہ سے مارکیٹ سے مال خریدتے ہیں اور فروخت کر کے نفع یا نقصان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صاحب الہدایہ لکھتے ہیں:

شركة الوجوه: فالرجلان يشتركان ولا مال لهما على أن يشتريا بوجوههما ويبيعا. (۳)

---

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ٦: ٥٦

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۱۰

(۳) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۱۱

”شرکتِ وجوہ یہ ہے کہ دو شخص باہم عقدِ شرکت باندھیں حالانکہ ان کا کچھ مال نہیں ہے، اس شرط پر کہ دونوں اپنی وجاہت و امانت کی وجہ سے خرید و فروخت کریں گے۔“

شرکتِ وجوہ میں مشترکین کا مال نہیں ہوتا بلکہ مال منڈی سے ادھار خریدا جاتا ہے اور فروخت کر کے حاصل شدہ نفع آپس میں مساوی تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ نقصان کی حالت میں بھی یہی صورت ہوگی۔ کمی بیشی کی صورت میں معاہدہ/شرائط طے کرنا لازمی ہوگا۔

شرکتِ عقود کے بنیادی امور

(Basic Factos of Joint Agreements)

فقہاء نے شرکتِ عقود کی مختلف اقسام بیان کی ہیں اور ان کے احکام الگ الگ بیان کئے ہیں تاہم ان تمام اقسام میں جو مشترک امور ہیں ان کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) ایجاب وقبول - اقرار (Offer & Acceptance)

شریکین کا شرکت کے ضمن میں قول و اقرار ہونا لازمی ہے۔ یہ چاہے زبانی ہو یا تحریری لیکن اگر تحریری صورت میں آ جائے تو بہت بہتر ہے جیسا کہ علامہ سرخسی (م۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) نے فرمایا:

إن الكتابة عقد ارفاق.[۱]

”بے شک تحریر بھی سود مند معاہدہ ہے۔“

(۲) نفع ونقصان کی تقسیم کی وضاحت

(Specification of Profit & Loss)

کاروبار میں نفع و نقصان کی کیا تقسیم ہوگی اس کی صاف صاف وضاحت کرنا ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو اپنا حصہ معلوم ہو اور اختلاف کی صورت پیدا نہ ہوا۔ علامہ

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۲: ۱۲۶

سرخسی (م۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) لکھتے ہیں:

لابد من تحصیل رأس مال کل واحد منهما لیظهر الربح. [۱]

’’دونوں فریقین میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا مال دوسرے کو تھمائے تاکہ منافع واضح ہو سکے۔‘‘

(۳) شریکین مال کے امین ہوں (Trusteeship of Partners)

کاروبار میں ہر شریک مشترکہ مال کا امین ہو گا اور اس طرح اس پر اس کی حفاظت بھی لازم ہوگی۔ صاحب الھدایہ لکھتے ہیں:

ویده في المال ید أمانة. [۲]

’’عقدِ شرکت میں ہر شریک کے قبضہ میں جو مال ہے وہ بطور امانت ہے۔‘‘

(۴) باہمی رضامندی (Mutual Consent)

اگر تجارت میں فریقین کا سرمایہ برابر ہے لیکن پھر بھی وہ کم و بیش نفع و نقصان برداشت کرنے پر راضی ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

ویصح أن یتساویا في المال ویتفاضلا في الربح. [۳]

’’اور اگر دونوں کا مال برابر ہو اور نفع میں کسی کے واسطے زیادتی کی شرط ہو تو صحیح ہے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

---

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۱: ۱۵۶
(۲) مرغیناني، الهدایة شرح بدایة المبتدي، ۳: ۱۰
(۳) مرغیناني، الهدایة شرح بدایة المبتدي، ۳: ۷

(۵) شریکین مشترکہ مال کے وکیل ہوں گے

(Equality of Rights in Dealings)

کاروبار میں شریک ہر فرد مشترکہ مال میں وکیل کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ اس طرح وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو کاروبار کے انتظام و انصرام اور تصرف میں مساوی اختیار حاصل ہوگا۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

الوكالة فلتحقق المقصود وهو الشركة في المال على ما بيناه.(۱)

''پس وکالت اس لئے ہے کہ اس کا مقصود یعنی مالی شرکت متحقق ہو تاکہ جو کچھ حاصل ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔''

(۶) نفع میں شریک کا استحقاق (Profit Sharing)

شرکت کی صورت میں ہر شریک کے لئے کاروبار میں خود یا اپنے کسی نمائندہ کا حصہ لینا ضروری ہے لیکن اگر شرکت کا معاہدہ ہو چکا ہے اور وہ کسی جائز وجہ سے کاروبار میں حصہ لینے سے قاصر رہا تو بھی وہ نفع و نقصان میں شریک ہوگا۔ اس طرح اگر ایک شریک کی مال، کام یا دیگر نمائندوں کے کاروبار میں شرکت ہو جائے تو وہ معاہدہ کے مطابق نفع کا مستحق اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح اگر ایک شریک کاروباری معاملہ کرتے وقت اپنی شرکت فسخ کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار حاصل ہوگا اور اس کی شرکت قطع ہو جائے گی۔

''شرکت'' کی ضرورت و اَہمیت

(Importance & Need of Partnership)

۱۔ شرکت اور اس کی مختلف اقسام کا تصور دے کر اسلام اپنی ایک اور خوبی کو ظاہر

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۴

کرتا ہے کہ وہ شراکتی کاروبار کا زبردست حامی اور داعی ہے۔

۲۔ کاروبار میں مشارکت سے سرمایہ کاری پروان چڑھتی ہے۔

۳۔ اس کے ذریعے ''امدادِ باہمی'' کو تقویت ملتی ہے جس کا اثر مذہب، سیاست، معاشرت، اقتصاد اور زندگی کے دیگر شعبہ جات پر پڑتا ہے اور اس طرح معیشت میں مثبت رجحانات سامنے آتے ہیں۔

۴۔ شرکت سے کاروباری دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے جس سے ملکی معیشت مستحکم ہوتی ہے اور معاشی جدوجہد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ معاشی ترقی سے بھی ہمکنار ہوتی ہے۔

۵۔ آج بھی اگر شرکت کے اصولوں کو اپنا لیا جائے تو ملک سے بے روزگاری، عام افلاس اور معاشی بدحالی بڑی حد تک دور ہوسکتی ہے۔

۶۔ سود اور سودی کاروبار سے نجات مل سکتی ہے۔

www.MinhajBooks.com

مضاربت (Mudarbah)

معنی و مفہوم

اس کا مادہ ''ض۔ر۔ب (ضرب)'' ہے بمعنی سفر کرنا، کیونکہ تجارت میں عموماً سفر درپیش ہوتا ہے اس لیے یہ معنی مراد لیا گیا ہے، علاوہ ازیں یہ ''ضاربة في الأرض'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی زمین کے طول و عرض میں سفر کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ضرب مادہ پر مشتمل الفاظ کئی جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں مثلاً:

۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ.(۱)

''اور جب تم زمین میں سفر کرو۔''

۲۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۲)

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

لغوی بحث کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے علی بن محمد الجرجانی (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ) مضاربت کی یوں تعریف کرتے ہیں:

المضاربة: مفاعلة من الضرب، وهو السير في الأرض، وفي الشرع عقد شركة في الربح بمال من رجل وعمل من آخر.(۳)

''مُضَارَبَةٌ، ضرب مصدر سے باب مُفَاعَلَةٌ ہے جس کا مطلب ہے زمین میں

(۱) النساء، ۴: ۱۰۱

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) جرجاني، التعريفات: ۲۷۲

چلنا پھرنا۔ شرعی لحاظ سے مضاربت منافع میں شرکت کا ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں سرمایہ ایک آدمی کا جبکہ محنت اور کام دوسرے آدمی کا ہوتا ہے۔‘‘

مضاربت کو ’’قراض‘‘ یا ’’مقارضہ‘‘ بھی کہتے ہیں۔ قراض/مقارضہ قرض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ’’کاٹ دینا‘‘۔ مضاربت میں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک سرمایہ دار اپنی آمدنی سے بچا بچا کر (کاٹ کاٹ کر) کچھ سرمایہ جمع کرتا ہے اور اسے کاروبار میں لگاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ کاٹ کر دوسرے فریق کو دیتا ہے کہ وہ اس سے کاروبار کرے۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر مضاربت دو فریقوں کے درمیان اس معاہدے کو کہتے ہیں جس کے تحت ایک فریق سرمایہ کی فراہمی اپنے ذمہ لیتا ہے اور دوسرا فریق اپنی محنت پیش کرتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ صاحب مال کو ’’رب المال یا سرمایہ کار‘‘ جبکہ عمل کرنے والے کو ’’مضارب یا عامل‘‘ اور جو مال لگایا جاتا ہے اسے ’’راس المال یا سرمایہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

گویا مضاربت کاروباری شراکت کی ایک قسم ہے جس میں ایک فریق سرمایہ لگاتا ہے جبکہ دوسرا اپنی کاروباری صلاحیت، ذہانت، محنت اور تجربہ وغیرہ کی بنا پر فریقِ ثانی کی حیثیت سے شریکِ کاروبار ہوتا ہے اس طرح کاروبار میں جو نفع ملتا ہے، آپس میں باہمی رضامندی سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ نقصان کی صورت میں تمام تر نقصان رب المال (سرمایہ کار) کو برداشت کرنا پڑے گا اور مضارب کو اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ عبد الرحمٰن الجزیری (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ) کے الفاظ ہیں:

عند الفقهاء فهي عقد بين اثنين يتضمن أن يدفع أحدهما للآخر مالا يملكه ليتجر فيه بجزء شائع معلوم من الربح كالنصف أو

الثلث أو نحوهما. بشرائط مخصوصة.(۱)

’’فقہاء کے نزدیک دو فریقوں کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے گا کہ وہ نفع میں ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا ایک تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ مال کو تجارت یا کاروبار میں لگائے۔‘‘

مضاربت میں اگر مقام، خاص جنس، متعین مشتری یا خاص زمانہ یا وقت کی قید لگا دی جائے تو وہ مضاربت مقیدہ اور اگر اس طرح کی کوئی قید نہ ہو تو وہ مضاربت مطلقہ کہلاتی ہے۔

علماء و فقہاء مضاربت کا شرعی جواز سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۲۰ سے نکالتے ہیں اس کے علاوہ بعثت سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مضاربت ہی کی بنیاد پر تجارت فرمائی تھی اور آپ ﷺ خود یتیموں کا مال مضاربت کے اصولوں پر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس ضمن میں یہی طرزِ عمل رہا۔

مضاربت کے ضمن میں متعلقہ مسائل رب المال، مضارب اور سرمایہ کتبِ فقہ میں فقہاء کرام نے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں درج ذیل اہم ہیں:

۱۔ امام مالک، موطأ، كتاب القراض

۲۔ امام سرخسی، المبسوط، جلد: ۲۲، كتاب المضاربة

۳۔ امام کاسانی، بدائع الصنائع، جلد: ۶، كتاب المضاربة

۴۔ مرغینانی، الهداية، جلد: ۳، كتاب المضاربة

۵۔ ابن رشد، بداية المجتهد، جلد: ۲، كتاب القراض

(۱) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۳: ۳۴

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ضرورت و اہمیت (Need & Importance)

دینی، دنیاوی اور عقلی بنیادوں پر مضاربت کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کا انکارنہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

(۱) انسانی مصالح کا تحفظ (Protection of Human Benefits)

مضاربت انسانی مصالح کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ معاشرے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد یا افراد کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنی ذہنی و جسمانی کمزوریوں یا معذوری یا نا تجربہ کاری وغیرہ کی بنا پر خود کاروبارنہیں کر سکتے اس صورت میں شرکت و مضاربت سے ان کو سرمایہ کاری کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں جس سے عامۃ الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۲) ناداروں کی بھلائی (Welfare of the Needy)

مضاربت کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس حوالے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس ذریعہ تجارت سے ناداروں کی بھلائی کے راستے کھلتے ہیں۔ وہ لوگ جو صلاحیت رکھنے کے باوجود محض سرمایہ نہ ہونے کے باعث انتہائی پسماندہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں ان لوگوں کے لئے مضاربت کا نظام امید کی واضح کرن کا کام کرتا ہے کیونکہ اس طرح انہیں دوسروں کے مال سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے جو ان کی ضرورت کے عین مطابق امر واقعہ ہے۔ اس طرح وہ معاشی جدوجہد میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(۳) بیروزگاری میں کمی (Descreasen the Unemployment)

بیروزگاری عام طور پر اس وقت ہوتی ہے جب سرمایہ نہ ہو، کاروبارنہیں ہوتے، لوگ بے کار ہو جاتے ہیں لہٰذا مضاربت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مصروف کیا جا سکتا ہے۔ روزگار کی فراہمی سے نہ صرف بے روزگاری پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ اسے

پیدا ہونے سے بھی روکا جا سکتا ہے۔

(۴) گردشِ دولت میں اضافہ (Increase in Wealth Circulation)

مضاربت کے ذریعے انفرادی اور ملکی دولت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مختلف انواع کی نئی نئی تجارتی سرگرمیاں روشناس ہوتی ہیں۔ چھوٹی صنعتوں، گھریلو صنعتوں، چھوٹے اور بڑے لیول پر کاروبار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس سے ملک میں گردشِ دولت کا نظام نہ صرف بہتر بلکہ مستعد اور مستحکم بھی ہو جاتا ہے۔

(۵) ملکی معیشت کی ترقی (Development of Economy)

حکومت بھی اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کر سکتی ہے اس طرح حکومت کی ضروریات بھی پوری ہو سکتی ہیں اور عوام کی آمدنیوں میں اضافہ کا ذریعہ بھی فراہم ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف بے روزگاری کے خاتمہ سے ناداروں کے لئے کام کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام پہلو مجموعی طور پر ملکی معیشت کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کر کے اس کے فروغ کی راہیں ہموار کر دیتے ہیں۔

(۶) سودی بینکاری کا متبادل ذریعہ

(Alternative to Interst-Based Banking)

عصرِ حاضر میں بینکاری اپنی افادیت کا لوہا منوا چکی ہے لیکن بدقسمتی سے مروجہ نظامِ بینکاری سود کی اساس پر قائم ہے۔ مضاربت کو بینکاری کی متبادل اساس کے طور پر اختیار کر کے سود کی لعنت سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔

(۷) منفی معاشرتی سرگرمیوں کا انسداد

(Curbing Anti Social Activities)

وہ لوگ جن کے پاس اپنی صلاحیتوں کے اظہار اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے

لئے سرمایہ نہیں ہوتا وہ اکثر منفی معاشی و معاشرتی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ گداگری، سمگلنگ، جوئا، چوری، دھوکہ، فریب، لوٹ مار جیسی برائیاں اکثر محرومیوں کی ہی پیداوار ہوتی ہیں اور اکثر محروم افراد ہی ان کا شکار ہوتے ہیں۔ مضاربت کے ذریعے ان افراد کو خود دار اور باوقار ذرائع سے اپنی ضروریات کی تکمیل کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح ملک کو سماجی اور معاشی برائیوں کے انسداد میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

www.MinhajBooks.com

باب نہم

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی○

(النجم، ۵۳:۱۹)

أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهُ

(ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی)

صنعت اور لیبر پالیسی

(قرآن و سنت کے آئینہ میں)

www.MinhajBooks.com

صنعت (Industry)

تعارف

صنعت (صنعة) عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مادہ ''ص۔ن۔ع'' ہے۔ صَنَعَ یَصْنَعُ صُنْعًا سے مشتق لفظ صنعة کا لغوی معنی ہے ''کوئی چیز بنانا یا ایجاد کرنا''۔

امام راغب اصفہانی (م۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) لکھتے ہیں:

الصُّنْعُ: إجادة الفعل، فكل صنع فعل، وليس كل فعل صنعًا، ولا ينسب إلى الحيوانات والجمادات كما ينسب إليها الفعل.

قال تعالی: ﴿صُنْعَ اللهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ[1]﴾۔[2]

''الصنع کے معنی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں۔ اس لئے ہر صنع کو فعل تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر فعل کو صنع نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ لفظ فعل کی طرح حیوانات اور جمادات کے لئے بولا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربّانی ہے: ﴿(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے﴾۔''

قرآنِ مجید میں بھی لفظ صنعت مذکورہ بالا معانی اور مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

---

(۱) النمل، ۲۷: ۸۸

(۲) راغب اصفهاني، المفردات الفاظ القرآن: ۴۹۳

شٰکِرُوْنَo(۱)

''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار ہو؟o''

۲۔ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا.(۲)

''اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔''

۳۔ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا.(۳)

''پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔''

۴۔ وَ يَصْنَعُ الْفُلْکَ.(۴)

''اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے۔''

۵۔ صُنْعَ اللهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَيْءٍ.(۵)

''(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے۔''

۶۔ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط اِنَّمَا صَنَعُوْا کَيْدُ سٰحِرٍ.(۶)

---

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۸۰

(۲) ھود، ۱۱: ۳۷

(۳) المؤمنون، ۲۳: ۲۷

(۴) ہود، ۱۱: ۳۸

(۵) النمل، ۲۷: ۸۸

(۶) طٰہٰ، ۲۰: ۶۹

''وہ اس (فریب) کو نگل جائے گی جو انہوں نے (مصنوعی طور پر) بنا رکھا ہے۔ جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے (وہ تو) فقط جادوگر کا فریب ہے۔''

۷۔ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ.(۱)

''اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کر دیا جو فرعون اور اس کی قوم نے بنا رکھے تھے۔''

احادیث نبویہ ﷺ و آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ عن سهل رضی الله عنه أن النبي ﷺ أرسل إلى امرأة من المهاجرين وكان لها غلام نجار. قال لها: مري عبدك فليعمل لنا أعواد المنبر فأمرت عبدها. فذهب فقطع من الطرفاء فصنع له منبرًا فلما قضاه أرسلت إلى النبي ﷺ أنه قضاه. قال ﷺ: أرسلي به إليّ فجاءوا به فاحتمله النبي ﷺ فوضعه حيث ترون.(۲)

''حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مہاجر خاتون کے پاس (اپنا آدمی) بھیجا۔ اس (عورت) کا غلام بڑھئی تھا۔ اس سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلام سے ہمارے لئے لکڑی کا ایک منبر بنانے

(۱) الاعراف، ۷: ۱۳۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الهبة، باب من استوهب من إصحابة شيئًا، ۲: ۹۰۸، رقم: ۲۴۳۰

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۳۱، رقم: ۳۷

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۱۴۵، رقم: ۵۷۹۰

کے لئے کہے۔ اس نے اپنے غلام سے کہا وہ جا کر جھاؤ کاٹ لایا اور اسی کا ایک منبر بنایا۔ جب وہ منبر بنا چکا تو خاتون نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ منبر بن کر تیار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کہلوایا کہ اسے میرے پاس بجھوا دو۔ لوگ اسے جب لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے اٹھایا اور جہاں تم اب دیکھ رہے ہو وہیں آپ نے اسے رکھا۔‘‘

۲۔ عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضی اللہ عنہما إذ أتاه رجل. فقال: يا ابن عباس! إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وأصنع هذه التصاوير. فقال ابن عباس: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله ﷺ يقول، سمعته يقول: من صوّر صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبدًا. فربا رجل ربوة شديدة واصفر وجهه. فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح.(۱)

’’حضرت سعید بن ابی حسن کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابن عباس! میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کی معیشت اپنے ہاتھ کی صنعت پر موقوف ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك، ۲: ۷۷۵، رقم: ۲۱۱۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۶۰، رقم: ۳۳۹۴

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۱۶۴، رقم: ۱۲۷۷۲

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۲۷۰، رقم: ۱۴۳۵۶

پر فرمایا کہ میں تمہیں صرف وہی بات بتاؤں گا جو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس نے بھی کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا جب تک وہ شخص اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان نہ ڈال دے اور (یہ ظاہر ہے کہ) وہ کبھی اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔ (یہ سن کر) اس شخص کا سانس پھول گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: افسوس! اگر تم تصویریں بنانا ہی چاہتے ہو تو ان درختوں کی اور اس چیز کی جس میں جان نہیں ہے، تصویریں بنا سکتے ہو۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب ابو لوء لوء نے حملہ کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا تو آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ دیکھو مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ مغیرہ کے غلام نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ وہی غلام جو کاریگر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہاں وہی ہے۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

قال: يا ابن عباس! انظر من قتلني. فجال ساعة ثم جاء فقال: غلام المغيرة. قال: الصنع. قال: نعم.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن عباس! دیکھو مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تھوڑی دیر گھوم پھر کا دیکھا اور فرمایا کہ مغیرہ کے غلام (ابو لوء لوء) نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: وہی جو کاریگر ہے؟ جواب دیا کہ جی ہاں۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۳۴۹۷

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۴۷

۴۔ حضرت زینت بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے:

وكانت صناع اليدين.(۱)

’’حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہنر مند خاتون تھیں۔‘‘

۵۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

لا تكلّفوا الأمة غير ذات الصنعة الكسب.(۲)

’’جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو۔‘‘

اِسلام اور صنعت و حرفت

اسلام کی معاملہ فہمی سے یہ بات عیاں ہے کہ اس نے آغازِ انسانیت سے ہی صنعت کے شعبہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صناعیٔ عظیم کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے چند پیغمبران علیہم السلام کے ساتھ بھی انقلابی صناعات کا انتساب کیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

۱۔ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا.(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزكاة، باب الصدقة على ذي قرابة، ۱: ۵۸۷، رقم: ۱۸۳۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۰۲، رقم: ۱۶۰۸۵

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۳۴۴، رقم: ۸۰۰

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(۳) هود، ۱۱: ۳۷

’’اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔‘‘

۲۔ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا.(۱)

’’پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔‘‘

۳۔ وَ یَصْنَعُ الْفُلْکَ.(۲)

’’اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے۔‘‘

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوہے کی صنعت کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا:

۴۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ○ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ.(۳)

’’اور ہم نے اُن (داؤد علیہ السلام) کے لئے لوہا نرم کر دیا ○ (اور ارشاد فرمایا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو۔‘‘

۵۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ج فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○(۴)

’’اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار ہو؟ ○‘‘

۶۔ حضرت ذوالقرنین کی دھات سازی کا ذکر یوں فرمایا:

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ط حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ط

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۲۷

(۲) ھود، ۱۱: ۳۸

(۳) سباء، ۳۴: ۱۰۔ ۱۱

(۴) الانبیاء، ۲۱: ۸۰

حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ (۱)

”تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر دی تو کہنے لگا (اب آگ لگا کر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا ۝“

محولہ بالا قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ سے صنعت گری میں درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تیار کردہ کشتی اس زمانے کی زبردست ایجاد تھی اور اہلِ دنیا کے سامنے فنِ کشتی سازی میں ایک نیا اور اچھوتا شاہکار تھی، یہی صنعت آج ترقی کر کے چھوٹی بڑی کشتیاں، بحری جہاز، آبدوزوں اور بحری بیڑوں کی تیاری میں تبدیل ہو گئی ہے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی آہن گری اور زرہ بکتر سازی فن سپاہ گری سے متعلق آلاتِ حرب کی صناعی و تیاری میں نت نئی ایجادات کے نتیجے میں سامنے آئیں۔ توپ، بندوق، ٹینک، بکتر بند اور بے شمار جنگی ہتھیار بنائے گئے اور ان میں روز افزوں نئی نئی ایجادات سے روشناس کرایا جارہا ہے۔ اسی طرح جدید آئرن انڈسٹری بھی معرض وجود میں آئی۔

۳۔ حضرت ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الکھف موجود ہے۔ تمام واقعہ پڑھ کر جہاں حضرت ذوالقرنین کے بارے میں دیگر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہاں ان کے علم المعاون اور دھات سازی (Metalurgy) کا بھی پتہ چلتا

(۱) الکھف، ۱۸: ۹۶

ہے کہ جب آپ نے لوہے کے ٹکڑوں کا گرم کروا کر ان پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالنے کا ذکر فرمایا جس سے یاجوج ماجوج سے بچاؤ کے لیے بنائی گئی آہنی دیوار اور مضبوط کی گئی تھی۔ دھاتوں کو دوسری دھاتوں کے ساتھ ملا کر آج مختلف alloys تیار کی جاتی ہیں جو عام دھاتوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غیر اقوام کی مفید صنعتیں سیکھنے پر اجماع رہا۔ جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا خندق کھودنے کا مشورہ کشادہ دلی سے قبول فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر مسلم اقوام کے آلاتِ حرب کو اپنانے میں کسی تامل اور تعصب سے کام نہیں لیا۔ مختلف غزوات کے اموالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے دبابے اور منجنیقیں (جنہیں رومی آلاتِ حرب بتایا جاتا ہے) جب حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو آپ ﷺ نے ان کو مختلف اسلامی جنگوں میں استعمال کروایا۔ سب سے پہلا دبابہ (ٹینک) جو اسلام میں بنایا گیا تھا یہ وہی دبابہ (ٹینک) تھا جو طائف میں استعمال کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ الکتانی (۱۳۰۵۔ ۱۳۸۲ھ) لکھتے ہیں:

۱۔ أوّل دبابة صنعت في الإسلام دبابة صنعت على الطائف حين حاصرها رسول الله ﷺ.(۱)

’’اسلام میں سب سے پہلا ٹینک جو بنایا گیا وہی ٹینک تھا جو اس وقت بنایا گیا تھا جب حضور نبی اکرم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔‘‘

اسی طرح طائف کے محاصرے میں منجنیق کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے استعمال فرمایا تھا۔ الکتانی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ) لکھتے ہیں:

(۱) کتاني، التراتيب الإدارية، ۱: ۳۷۵

۲۔ أوّل من رمی بالمنجنیق رسول الله ﷺ أهل الطائف دخل نفر من أصحاب رسول الله ﷺ تحت دبابة ثم رجعوا بها إلی جدار الطائف لیحرقوه۔[۱]

''سب سے پہلے منجنیق کو حضور نبی اکرم ﷺ نے طائف والوں کے خلاف استعمال فرمایا (صورت یوں ہوئی) کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چند صحابی رضی اللہ عنہم ایک ٹینک میں داخل ہو کر طائف کی فصیل (دیوار) تک پہنچے تا کہ اس (کے دروازے) کو آگ لگا دیں۔''

بعد ازاں صنعت و حرفت کے شعبے میں نئی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں نے فنِ تعمیر میں گراں قدر ترقی کی۔ مساجد کی تعمیر میں محراب، منبر، گنبد، جنگی مقاصد کے لیے خندقیں (Trenches) اور پناہ گاہیں (Shelters) وغیرہ مسلمانوں کی محنتِ شاقہ اور صنعت گری میں اعلیٰ مثالوں کی آئینہ دار ہیں۔ اسپین کا الحمراء پیلیس (Alhamra palace)، مسجد قرطبہ، مصر کے ڈیم وغیرہ اسلامی طرزِ تعمیر (Islamic Morish Architecture) کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے Architecture میں فنی مہارت حاصل کی جس کے نمونے آج بھی اسلامی تاریخی عمارات میں ملتے ہیں۔ عہدِ خلافت راشدہ ہو یا بنو امیہ و عباسی حکومت مسلمانوں نے ہر دور میں صنعت و حرفت میں بے مثال ترقی کی۔ سرامک انڈسٹری، سیمنٹ کی صنعت، شیشہ سازی، چمڑے کی صنعت، ظروف سازی، پارچہ بافی (Textile) غرض صنعت کے ہر شعبہ میں مسلمانوں نے نہ صرف گراں قدر مہارت حاصل کی بلکہ اسے ترقی کی اعلیٰ منازل سے ہمکنار بھی کیا۔

صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی دلچسپی کا سلسلہ جاری رہا۔ سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہوں نے قلعے، مساجد، باغات بنوائے جن میں اعلیٰ درجے کی صناعی، پچی کاری، رنگوں

(۱) کتاني، التراتیب الإداریة، ۱: ۳۷۵

کی آمیزش اور فنِ تعمیر کے اعلیٰ اور حیران کن اصول اپنی مثال آپ ہیں۔ دورِ جدید میں بھی مسلم ممالک میں کثیر المنزلہ عمارتیں، پلازے، جدید فرنشڈ گھر، کارپیٹڈ سڑکیں، بحری و ہوائی جہازوں کی تیاری، آبی ذخائر کے لیے ڈیم، آٹو موبائیلز، ٹیکسٹائل، کھاد و دیگر مشینری اور دیوہیکل کارخانوں وغیرہ کا وجود ان کے صنعت و حرفت سے گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

صنعت و حرفت کی ضرورت و اہمیت

عصرِ حاضر کے امیر اور ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی ترقی کا زیادہ تر سہرا صنعتی ترقی کے سر ہے۔ گویا ان ممالک کی ترقی و خوشحالی میں صنعتی ترقی کا زیادہ رول ہے۔ نہ صرف مغربی ممالک بلکہ وہ شاندار ترقی جو تائیوان، کوریا، جاپان، ہانگ کانگ اور ملائیشیا وغیرہ میں ہوئی ہے۔ اس کو صنعتی ترقی کی مرہون منت قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ حقیقت بین الاقوامی سچائی (Universal Truth) بن کر سامنے آئی ہے کہ کسی بھی ملک کی صنعتی ترقی اس کی معاشی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ گویا اسے معاشی خوشحالی کی کنجی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

صنعت و حرفت کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل حقائق سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جو ملک (خصوصی طور پر ترقی پذیر یا کم ترقی یافتہ) صنعتی ترقی میں دلچسپی لے گا وہاں درج ذیل مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہوجائیں گے:

۱۔ معاشی استحکام کا آغاز (Begining of Economic Development)

۲۔ برآمدات میں اضافہ (Increase in Exports)

۳۔ قومی آمدنی میں اضافہ (Increase in National Income)

۴۔ روزگار میں اضافہ (Increase in Employment)

۵۔ زرعی ترقی (Agricultural Development)

۶۔ دیگر شعبہ جات میں ترقی (Development in other Sectors)

۷۔ بچتوں اور سرمایہ کاری میں اضافہ

(Increase in Savings and Investments)

۸۔ حکومت کی آمدنی میں اضافہ (Increase in Govt. Revenues)

۹۔ ادائیگیوں کے توازن میں بہتری

(Improvement in Balance of Payments)

۱۰۔ تقسیم کار اور تخصیصِ کار کی حوصلہ افزائی

(Encouragement of Speacilization and Division of Work)

۱۱۔ ملک دفاعی لحاظ سے مضبوط (Surety of Country's Defence)

۱۲۔ عوام کے اندازِ فکر میں مثبت تبدیلی

(Positive Change in People's Out-look)

۱۳۔ سماجی برائیوں میں کمی (Decrease in Social Evils)

۱۴۔ ملک میں امن و امان

(Peace, Salvation and Security in the Country)

۱۵۔ زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ (Increase in Foreign Reserves)

۱۶۔ غیر ملکی قرضوں سے نجات (Relief from Foreign Debts)

۱۷۔ زرعی صنعت کاری میں ترقی (Boosting of Agro-based Industry)

لمحۂ فکریہ

اس میں شک نہیں کہ صنعتی ترقی سے مذکورہ بالا فوائد و ثمرات ملتے ہیں لیکن دورِ جدید میں کچھ ماہرین معاشیات نے چند خدشات کا بھی اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق معاشی ترقی کے اس دور میں صنعتی ترقی کا کردار کچھ زیادہ سود مند نہیں رہا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے روزگار کے مواقع کم ہوئے ہیں جہاں بیس آدمی کام کرتے تھے اب ایک یا دو آدمی مشین کو بآسانی چلا کر اتنا یا اس سے زیادہ کام کر لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں دولت کی تقسیم میں ناہمواری آئی ہے، علاقائی اور طبقاتی کشمکش میں اضافہ ہوا ہے، دیہاتی شعبہ نظر انداز ہوتا جا رہا ہے، گاؤں سے شہروں کی طرف نقل مکانی (Migration) میں اضافہ اور شہروں میں معاشی دوہرا پن پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماحول کی آلودگی میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس نے عوام الناس کی صحت پر برے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیئے ہیں، ماحول کی آلودگی، مشینوں کے شور اور فاضل ملبہ کی وجہ سے نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ مزدوروں کا استحصال، کم شرح اجرت، صحت و رہائش پر عدم توجہ اور محنت کش طبقہ کی معاشی پسماندگی عام ہے، صنعتی تنازعات کی بھرمار ہے اور مادیت پسندی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

ان ماہرینِ معاشیات کے تجزیئے کے مطابق کم ترقی یافتہ ممالک میں صرف اور صرف صنعتی ترقی کی طرف توجہ دینا مناسب نہیں بلکہ حقیقی معاشی ترقی کے حصول کے لیے ان ممالک کو اپنے صنعتی اور زرعی شعبوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا پڑے گا تاکہ ان میں سے کوئی شعبہ بھی افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔

محنت کش اور لیبر پالیسی

یوں تو ہر شعبۂ زندگی میں لوگ کام کرتے ہیں جہاں انہیں ان کے پیشے (Profession)، مہارت (Experties)، عہدہ (Status)، وغیرہ سے موسوم یا پہچانا

جاتا ہے۔ لیکن زراعت یا صنعت میں یہ محنت کش طبقہ کہلاتا ہے۔ انہی شعبوں میں نسبتاً ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم مزدور اور لیبر پالیسی پر تفصیل سے بحث کریں گے اور اسلامی افکار کے تحت قرآن وسنت کی روشنی میں موضوع کی وضاحت کریں گے تاکہ اس ضمن میں حقیقی علم کا ادراک ممکن ہو سکے۔

www.MinhajBooks.com

لیبر پالیسی (Labour Policy)

اردو میں لیبر (Labour) کا مترادف لفظ ''محنت'' ہے۔ عرفِ عام اور علمی دنیا دونوں میں افراد کی اس جسمانی یا دماغی کاوش، جس کے بدلے میں انہیں روپیہ پیسہ ملتا ہے، کو محنت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

محنت کی اقسام

محنت کی دو بڑی اقسام ہیں:

۱۔ جسمانی محنت (Physical Labour)

۲۔ دماغی محنت (Mental Exercise)

مزدور، کسان، لوہار، کارپینٹر وغیرہ جسمانی محنت کر کے روپیہ کماتے ہیں جبکہ وکیل، پروفیسر، ڈاکٹر اور کلرک وغیرہ ذہنی کام کر کے تنخواہ یا مشاہرہ کی شکل میں روپیہ پیسہ حاصل کرتے ہیں۔

دورِ جدید کا المیہ

وسائل پیداوار (Factors of Production) میں محنت (Labour) بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن جدید معیشت دانوں نے اسے محدود کر دیا ہے اور اسے حصولِ زر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں دماغی کام کرنے والوں (ڈاکٹر، پروفیسر، سرکاری افسر وغیرہ) کو ان کے عہدوں اور گریڈز کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ مزدور، ترکھان، موچی، نائی، دھوبی وغیرہ کو کم تر سمجھا جاتا ہے۔ ان کا معیار و مقام ان کے پیشوں کی وجہ سے متعین کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی دوسروں کی طرح معاشی جدوجہد (Economic Activity) میں حصہ لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ سوچ غیر اسلامی

ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

اسلامی تصورِ محنت (Islamic Concept of Labour)

اسلامی نظریۂ محنت جدا گانہ حیثیت کا حامل ہے سب سے پہلے اسلام فرد کے معاشی جدوجہد میں حصہ لینے پر بھرپور زور دیتا ہے۔ پھر پیشوں کے انتخاب میں (سوائے شرعی طور پر ممنوع) کوئی پابندی نہیں لگاتا اور ہر وہ شخص جو شرعی حدود میں رہ کر محنت کرتا ہے اس کو اس کے پیشے کی وجہ سے ذلیل (Degrade) نہیں کرتا۔

۱۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo[۱]

’’اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کی رو سے انسانوں کا مقصدِ تخلیق اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اسلام میں عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے چنانچہ معاشی میدان میں خواہ جسمانی محنت ہو یا ذہنی کاوش، اگر وہ یہ جد و جہد احکامِ خداوندی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کے مطابق کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت شمار ہو گی۔ محنت میں ایمانداری، سچائی اور احساسِ ذمہ داری نہ صرف حصولِ مال کا ذریعہ اور معاشرہ میں عزت وتکریم کا باعث ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بھی ہوگا اور آخرت میں اجر وثواب ملنے کی ضمانت بھی۔

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْاۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَo[۲]

(۱) الذاریات، ۵۱: ۵۶

(۲) الاحقاف، ۴۶: ۱۹

”اور سب کے لئے ان (نیک و بد) اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے (جنت و دوزخ میں الگ الگ) درجات مقرر ہیں تا کہ (اللہ) ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گاo“

اس طرح اسلام کا تصورِ محنت نہایت جامع، خوش کن اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے اور معاشی و معاشرتی فوائد فراہم کرتا ہے۔

اسلام میں محنت کی فضیلت (Dignity of Labour in Islam)

اسلام محنت اور محنت کشی کو سراہتے ہوئے محنت کشوں اور مزدوروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پیدائشِ دولت کے عوامل میں زمین، سرمایہ اور مزدور اہم ہوتے ہیں۔ مزدور کی اسی اہمیت کے تحت اس کے کام یعنی محنت کی بڑی قدر کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے محنت کی عظمت کو درج ذیل انداز سے اجاگر کیا جا سکتا ہے:

(ا) قرآن مجید اور محنت

محنت کا مقام اور محنت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo(۱)

”اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o“

۲۔ معاشی جدوجہد کر کے دنیا سے اپنا حصہ لینا ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْکَ وَلَا

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ○[1]

’’اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بیشک اللہ فساد بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○‘‘

۳۔ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ نعمتوں اور سامانِ معیشت سب انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ لہٰذا ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حصول اور ان سے مستفید ہونے کے لئے بھرپور کوشش کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ○[2]

’’اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○‘‘

۴۔ حلال طریقوں سے کسبِ معاش کو اللہ کے فضل کے مترادف کہا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡكُرُوا اللّٰہَ كَثِیۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ○[3]

’’پھر جب نماز ادا ہوچکے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷

(۲) حم السجدة، ۴۱: ۱۰

(۳) الجمعة، ۶۲: ۱۰

رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ o‘‘

۵۔ کسبِ معاش میں نقل مکانی اور سفر کرنا رزقِ حلال کی طلب میں سعی کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ آخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۶۔ طلبِ معاش اور اس کے حصول کے لئے جدجہد کرنا اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ ﷻ کا شکر بجا لانا مستحسن ہے کیونکہ اللہ رب العزت ہی نے اسے کسبِ معاش کی توفیق بخشی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo(۲)

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے o‘‘

(۲) اَحادیثِ رسول اللہ ﷺ اور محنت

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور اسوۂ حسنہ سے محنت اور محنت کشی کی ستائش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ان میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ خير الكسب كسب العامل إذا نصح.(۳)

(۱) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۳) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰ ←

’’بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ کام خلوص اور خیر خواہی سے کرے۔‘‘

۲۔ التاجر الصدوق الأمین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء.[1]

’’سچا امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

۳۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.[2]

’’رزق کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔‘‘

۴۔ طلب الحلال فريضة بعد الفريضة.[3]

’’رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۵۔ ما أكل أحد طعامًا قط خيرًا من أن يأكل من عمل يديه وإن نبي الله داود عليه السلام كان يأكل من عمل يديه.[4]

...... ۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، رقم: ۶۲۱۳

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي صلى الله عليه وآله وسلم إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۷، رقم: ۲۱۴۲

(۲) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۷۴، رقم: ۹۹۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۴۷۵

(۴) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله ←

’’کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے اللہ کے نبی حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا کرتے تھے۔‘‘

۶۔ **لأن يأخذ أحدكم حبله فيأتي بحزمة الحطب على ظهره فيبيعها فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطوه أو منعوه.** (۱)

’’تم میں سے کوئی ایک رسی سے بندھا ہوا لکڑی کا گٹھا اپنی پشت پر اٹھا کر لائے اور اس کو فروخت کرے تو اللہ نے اس کے چہرے کو اس (مانگنے کی ذلت) سے روک لیا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔ وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔‘‘

۷۔ **إن من الذّنوب ذنوبًا لا يكفرها إلا الهم في طلب المعيشة.** (۲)

’’بعض گناہ ایسے ہیں جن کو سوائے فکرِ طلبِ معیشت کے اور کوئی چیز دور نہیں کرتی ہے۔‘‘

------ بیده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰، ۲۶۷، رقم: ۶۳۱

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۷، رقم: ۱۱۴۷۱

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، ۲: ۵۳۵، رقم: ۱۴۰۲

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۴۲۵، رقم: ۱۰۶۷۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۲: ۲۹۱

۸۔ ما كسب الرجل كسبًا أطيب من عمل يده وما أنفق الرجل على نفسه وأهله وولده وخادمه فهو صدقة.(۱)

’’آدمی کی اس سے بہتر کوئی کمائی نہیں کہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھائے وہ جو کچھ اپنی ذات، اپنے اہلِ خانہ، اپنی اولاد اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔‘‘

۹۔ آپ ﷺ نے بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا:

ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم.(۲)

’’تم میں سے وہ آدمی (جو بلا ضرورت مانگنے والا ہے) ہمیشہ مانگتا رہے گا حتی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔‘‘

۱۰۔ من أمسى كالاً من عمل يده أمسى مغفور له.(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحث على المكاسب، ۲: ۷۲۳، رقم: ۲۱۳۸

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۳۳، رقم: ۲۶۰۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۸۹، رقم: ۷۵۲۰

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۸

''جس نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ مزدوری کرتے ہوئے تھک کر شام کی تو اس کی شام بخشش کے ساتھ ہوئی۔''

۱۱۔ إن أطيب ما أكلتم من كسبكم.[۱]

''بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھ کی کمائی ہے۔''

۱۲۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

إن أشرف الكسب كسب الرجل من يده.[۲]

''بے شک کسی بھی شخص کے لئے بہترین کمائی وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔''

۱۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله يحب المؤمن المحترف.[۳]

''بے شک اللہ محنت کرنے والے مؤمن کو محبوب رکھتا ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام زندگی محنت و مشقت اور سعیٔ پیہم کا بہترین نمونہ

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸

(۲) هندي، كنز العمال، ۴: ۹، رقم: ۹۲۳۴

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۸۰، رقم: ۸۹۳۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۸، رقم: ۱۲۳۷
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۲، رقم: ۶۲۳۱

پیش کرتی ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے:

- بچپن میں بکریاں چرائیں۔
- بعثت سے پہلے تجارت کی۔
- بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
- ہجرت کرنے کے بعد مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
- آپ ﷺ غزوہ خندق میں خندق کھودنے میں بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔
- آپ ﷺ اپنے ہاتھوں سے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔
- آپ ﷺ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے تھے۔

(۳) انبیاء علیھم السلام اور محنت

قرآن مجید میں سابقہ انبیاء علیھم السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ انبیاء علیھم السلام کے حالات و واقعات پر تحقیق و تجسس سے جو امور سامنے آتے ہیں ان میں محنت، سعی اور کوشش واضح طور پر نمایاں ہے۔ مثلاً:

- حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔
- حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام جانتے تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کشتی بنائی۔
- حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے۔ آپ لوہے سے زرہیں اور دیگر آلاتِ حرب بنایا کرتے تھے۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجرت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔
- حضرت ادریس علیہ السلام کپڑا بنتے تھے۔

- حضرت زکریا علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام راج گری کا کام جانتے تھے۔ آپ باپ بیٹا نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام نے دس سال تک بکریاں چرائیں۔

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محنت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور عمل کو اپناتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی محنت کرنے سے جی نہیں چرایا۔ انہوں نے چھوٹے سے چھوٹے پیشے کو بھی اپنانے میں کوئی عار نہ سمجھی اور اپنے عمل سے امت پر یہ ثابت کر دیا کہ انسان کی عزت و ذلت اس کے پیشہ میں نہیں بلکہ اس کی معاشی جدوجہد میں مضمر ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں:

- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود محنت و مشقت سے کبھی جی نہ چرایا۔ خلیفہ بننے کے بعد بھی آپ کپڑوں کی گٹھڑی اپنی پیٹھ پر لاد کر مدینہ کے گرد و نواح میں کپڑا بیچتے تھے۔ آپ اہلِ محلّہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، ہمسایوں کے مویشی چراتے اور ان کا دودھ دوہا کرتے تھے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے۔
- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شادی کے بعد ولیمہ کی تیاری کے لئے جنگل سے گھاس لا کر فروخت کی۔
- دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں۔
- حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں کاروبار کرتے تھے۔
- حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک محنت کش تھے جو کھڈی پر کپڑا بن کر کسبِ معاش کرتے تھے۔

- حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ لوہے کا کام کرتے تھے۔
- حضرت یاسر رضی اللہ عنہ لکڑی کا کام کرتے تھے۔
- حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ میں آہن گری کا کام کرتے تھے۔ ہتھوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ اور کھردرے ہو گئے تھے۔ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصافحہ کرتے ہوئے یہ بات محسوس کی تو وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کماتا ہوں اس لئے ہاتھوں کا یہ حال ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا:

هذه يد لا تمسها النار ابدًا. (۱)

”یہی وہ ہاتھ ہے جسے (جہنم کی) آگ کبھی بھی نہیں چھوئے گی۔“

(۵) بزرگانِ دین اور محنت

مسلم علماء، فقہاء، مفسرین، محدثین اور دیگر صاحبِ علم ہستیوں نے بھی محنت کو شعار بنایا اور محنت کرنے میں کبھی عار محسوس نہ کی۔ مثلاً:

- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سوت کا کام کرتے تھے۔
- ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ جوتا ساز تھے آپ پینٹر کا کام بھی کرتے تھے۔
- علامہ الحناط رحمۃ اللہ علیہ درزی تھے۔
- البزار رحمۃ اللہ علیہ کپڑا بیچا کرتے تھے۔
- علامہ الخیام رحمۃ اللہ علیہ خیمے سیتے اور خیموں کا کاروبار کرتے تھے۔
- علامہ الخباز رحمۃ اللہ علیہ روٹیاں پکاتے تھے۔

(۱) ابن اثیر، أسد الغابة في معرفة الصحابة، ۲: ۴۲۰

- علامہ زیات رحمۃ اللہ علیہ تیل بیچا کرتے تھے۔
- امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ ہانڈیاں بناتے تھے۔ یعنی کمہار کا کام کرتے تھے۔
- امام قفال رحمۃ اللہ علیہ تالے بناتے اور فروخت کرتے تھے۔
- امام صفار رحمۃ اللہ علیہ برتن فروش تھے۔
- امام صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ عطر فروش تھے۔
- امام دقاق رحمۃ اللہ علیہ آٹا بیچتے تھے۔
- امام صابونی رحمۃ اللہ علیہ صابن سازی اور اس کی فروخت کرتے تھے۔
- امام نعالی رحمۃ اللہ علیہ جوتا فروش تھے۔
- امام بقالی رحمۃ اللہ علیہ سبزی فروش تھے۔
- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کا کام کرتے تھے۔
- امام احمد بن عمر بن مہیر رحمۃ اللہ علیہ موچی تھے۔
- مشہور مسلمان حکمران اورنگ زیب عالمگیر ٹوپیاں سی کر اور قرآن کریم کی کتابت کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔

آج بھی بہت سے مسلم مفکرین اور علماء و فاضلین اپنے ناموں کے ساتھ اپنے پیشے کو لکھنا عار نہیں سمجھتے۔ مثلاً مشہور کتاب ’’**مباحث فی علوم القرآن**‘‘ کے مصنف ’’مناع القطان‘‘ ہیں اور قطان روئی دھننے والے کو کہتے ہیں۔ پروفیسر محمود مزدرعہ ایک مصری سکالر ہیں اور مزدرعہ کھیتی باڑی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ’’**تیسیر مصطلح الحدیث**‘‘ کے مصنف ’’ڈاکٹر محمود الطحان‘‘ ہیں اور طحان پسائی کا کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کی اور بے شمار مثالیں عصرِ حاضر سے دی جا سکتی ہیں۔

محنت کے بنیادی ارکان

محنت کے اساسی عوامل، عناصر یا ارکان یہ ہیں:

۱۔ آجر (Entrepreneur)

۲۔ اجیر (Labourer)

۳۔ اجرت (Wage)

۱۔ آجر (Entrepreneur)

آجر وہ شخص ہوتا ہے جو کسی سے اجرت پر کام لے رہا ہو اسے مستاجر بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ اجیر (Labourer)

اجیر سے مراد مزدور یعنی جس سے اجرت پر کام لیا جائے۔

۳۔ اجرت (Wage)

یہ وہ معاوضہ ہے جو اجیر اپنی جسمانی یا ذہنی کاوش کے صلہ میں وصول کرتا ہے۔ اسے حقِ خدمت، مشاہرہ یا تنخواہ بھی کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ان تینوں سے متعلق تفصیلی بحث پیش کی جاتی ہے:

آجر اور اجیر کا رشتہ

اسلام آفاقی اور ہمہ جہت ہدایات و تعلیمات کا مرقع ہے۔ یہ قدر و منزلت، مقام و مرتبہ، عز و شرف اور عظمتِ انسان سے بخوبی واقف ہے۔ اسی لئے یہ آجر اور اجیر کے ملاپ اور ان کے رویہ و عمل کی بنیاد ''اخوت'' پر رکھتا ہے یعنی آجر اور اجیر ایک دوسرے

کو اپنا بھائی تصور کریں۔ یہ وہ جذبہ ہوگا جو جھگڑا و فساد کی بیخ کنی کرے گا اور زیادہ بہتر طریقے سے تکمیلِ کام کا ضامن ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت أیدیکم. (۱)

''تمہارے ہاتھ کے نیچے کام کرنے والے تمہارے بھائی ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔''

حدیثِ مبارکہ میں واضح طور پر آجر اور اجیر کو رشتۂ اخوت استوار کرنے کے ہدایت کی گئی ہے۔ آجر کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے اجرت کے تحت اجیر کی خدمت حاصل کی ہے یہ نہیں کہ مزدور ہی کو خرید لیا ہے۔ اب اس سے جس طرح چاہے کام لے۔ چنانچہ کسی بھی کج خیالی سے بچنے کے لئے اسلام نے آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض بیان کر دیئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

آجر کے لئے ہدایات

۱۔ آجر اجیر کو اپنا بھائی سمجھے اور ہر معاملہ میں حتی المقدور اس کے ساتھ تعاون کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ولا تکلّفوھم ما یغلبھم فإن کلّفتموھم فأعینوھم. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المعاصي من أمر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا إلا بالشرک، ۱: ۲۰، رقم: ۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سنان المملوک مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۱۶۶۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المعاصي من أمر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا إلا بالشرک، ۱: ۲۰، رقم: ۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سنان المملوک مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۱۶۶۱

’’اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مغلوب کر دے اور اگر ان پر بار ڈالو تو ان کی مدد و اعانت بھی کرو۔‘‘

۲۔ مزدور سے کام کرانے سے پہلے اس کی اجرت طے کر لی جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصیحت ہے:

إذا استأجرت أجيرًا فأعلمه أجره. (۱)

’’جب بھی تم کسی مزدور کو اجرت پر رکھنا چاہو تو اس کو (پہلے ہی سے) اس کی اجرت سے آگاہ کر دو۔‘‘

ایک اور موقع پر فرمایا:

من استأجر أجيرًا فليعلمه أجره. (۲)

’’جس شخص نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اسے چاہیے کہ اس کی اجرت پہلے بتائے۔‘‘

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إن النبي ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره. (۳)

---

(۱) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان والنذور، باب الثالث من الشروط فيه المزارعة والوثائق، ۷: ۳۱، رقم: ۳۸۵۷

۲۔ أبو حنيفه، المسند، ۱: ۹۰

(۲) ۱۔ أبو حنيفه، المسند، ۱: ۸۹

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۳۶۶، رقم: ۲۱۱۰۹

۳۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۱

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۲

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۷، رقم: ۶۴۵۴

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی مزدور سے مزدوری لینے سے منع فرمایا حتی کہ اس کو اجرت بتا دی جائے۔‘‘

اجرت کا تعین صرف معاشی اصول ’’طلب ورسد کی کمی بیشی‘‘ پر نہ کیا جائے بلکہ اجرت عادلانہ (Equitable) نظام پر رکھی جائے یعنی اتنی اجرت ضرور دی جائے کہ مزدور باعزت زندگی گزار سکے۔

۳۔ اجرت کی بروقت ادائیگی کرنا آجر کا فرض ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه. (۱)

’’مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کیا کرو۔‘‘

اجرت کی ادائیگی میں بہت ملال، تاخیر، عدم ادائیگی یا ادائیگی بطور احسان کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

قال الله ﷻ: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة ...... (ومنهم) رجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه أجره. (۲)

’’اللہ ﷻ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ہیں جن سے میں قیامت کے دن

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، ۲: ۷۹۲، رقم: ۲۱۵۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۶، رقم: ۲۴۴۲

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۷

جھگڑا کروں گا ...... (ان میں سے) ایک وہ شخص ہوگا جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہو مگر اجرت پوری نہ دیتا ہو۔‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

مطل الغني ظلم.(۱)

’’مالدار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے مالی حقوق کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔‘‘

۴۔ آجر کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اجیر کی اجرت اس کو خود ادا کر دے، مزدور کو اپنی اجرت مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس میں آپ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ پانی پلانے کے بعد آپ علیہ السلام ابھی وہیں موجود تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡکَ لِیَجۡزِیَکَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا.(۲)

’’اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو اس (محنت) کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (بکریوں کو) پانی پلایا ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم المطل الغي وصحة الحوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملى، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغي أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

(۲) القصص، ۲۸: ۲۵

اس آیتِ کریمہ میں ’’یَدُعُّوکَ‘‘ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مزدور کو مزدوری خود بلا کر دینی چاہیے تا کہ اسے مانگنے کی حاجت نہ پڑے۔

۵۔ آجر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اجیر سے بقدر استطاعت کام لے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ولا یکلّف من العمل إلا ما یطیق. (۱)

’’اور کام لینے میں اسے اتنی تکلیف نہ دی جائے جو کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔‘‘

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

ولا یکلّفه من العمل ما یغلبه. (۲)

’’اور اسے اس کام کی تکلیف نہ دو جو اس سے نہ ہو سکے۔‘‘

۶۔ آجر کو چاہیے کہ وہ مزدور سے حسنِ سلوک سے پیش آیا کرے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں واضح نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل الجنة سیّء الملکة. (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سنان المملوك مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳: ۱۲۸۴، رقم: ۱۶۶۲

۲۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۷۴، رقم: ۶۰۷۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی من السباب واللعن، ۵: ۲۲۴۸، رقم: ۵۷۰۳

۲۔ منذري، الترغیب و الترهیب، ۳: ۱۴۹، رقم: ۳۴۴۵

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في الإحسان إلی الخدم، ۴: ۳۳۴، رقم: ۱۹۴۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب الإحسان إلی الممالیك، ۲: ←

’’اپنے ماتحتوں سے بدخلقی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔‘‘

ایک اور موقع پر فرمایا:

حسن الملكة نماء وسوء الخلق يشؤم. [(۱)]

’’ماتحتوں سے اچھا سلوک برکت کا ذریعہ بنتا ہے اور ان سے بدخلقی بدبختی لاتی ہے۔‘‘

آجر اور اجیر کے باہمی تخاطب کے لئے نصیحت فرمائی:

لا يقل أحدكم أطعم ربّك وضئ ربّك اسق ربّك وليقل سيدي ومولاي ولا يقل أحدكم عبدي أمتي وليقل فتاي وفتاتي وغلامي. [(۲)]

’’تم میں سے کوئی بھی (اپنے خادم یا ملازم کو) یہ نہ کہے کہ اپنے آقا کو کھانا کھلاؤ، اپنے آقا کو وضو کراؤ، اپنے آقا کو پانی پلاؤ، بلکہ مزدور یا خادم کو صرف یہ کہنا چاہیئے: میرے سردار۔ اور تم میں سے کوئی یوں بھی نہ کہے: میرے غلام،

------ ۷: ۱۲۱۷، رقم: ۳۶۹۱

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ۱۲۴، رقم: ۹۳۱۲

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۲

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۵: ۱۷، رقم: ۴۴۵۱

۳۔ منذري، الترغيب و الترهيب، ۲: ۱۲، رقم: ۱۳۰۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب العتق، باب کراهية التطاول على الرقيق وقوله عبدي أو أمتي، ۲: ۹۰۱، رقم: ۲۴۱۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ٦: ۳۸٦، رقم: ۸٦۱۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱٦، رقم: ۸۱۸۲

میری لونڈی، بلکہ چاہیے کہ وہ کہے میرے نوجوان ملازم، میری ملازمہ اور میرے بیٹے۔‘‘

۷۔ اجیر کی نادانستہ یا چھوٹی موٹی غلطیوں سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔ ہلکی پھلکی حکم عدولی، نافرمانی یا سہواً رویئے پر جھڑکنے، مارنے، یا ذلیل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں آجر کو عفو و درگزر اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس بات کا درس درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے ملتا ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما يقول: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! كم أعفو عن الخادم؟ فصمت رسول الله ﷺ، ثم قال: يا رسول الله! كم أعفو عن الخادم؟ فقال: كل يوم سبعين مرة.(1)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! اپنے ملازم کو میں کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی۔ اس نے دوبارہ سوال کیا: یا رسول اللہ! اپنے ملازم کو میں کتنی بار معاف کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ہر روز ستّر (۷۰) بار معاف کیا کرو۔‘‘

احادیث میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے آجر کو اپنے اجیر کے ساتھ کتنا نرم رویہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حقوق المماليك، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۴

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في العفو عن الخادم، ۴: ۳۳۶، رقم: ۱۹۴۹

۸۔ شکست و ریخت یا نقصان کی صورت میں جرمانہ یا تاوان کے مسائل یہ ہیں:

(اَ) اگر نقصان غیر ارادی طور پر ہوا ہے تو آجر کوئی جرمانہ یا تاوان وصول کرنے کا حقدار نہیں۔ اس کے علاوہ قدرتی آفت یا کسی اور وجہ سے نقصان ہوا ہو اور اس میں مزدور کا کوئی حصہ، ارادہ، فائدہ یا دلچسپی وغیرہ نہ ہو تب بھی وہ نقصان پورا کرنے یا ہرجانہ دینے سے مبراء ہوگا۔

(ب) لیکن اگر نقصان کرنے کے عمل میں ملوث ہے اور ارادتاً آجر کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ نقصان ادا کرنے کا مستوجب ہوگا۔

۹۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کے مطابق آجر کو اجیر کی محنت کا صلہ دینا چاہیے جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

أعطوا العامل من عمله. (۱)

''مزدور کو اس کی محنت (کے ثمر) میں سے بھی کچھ دو۔''

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کا معنی و مفہوم درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا أتی أحدکم خادمه بطعامه فإن لم یجلسه معه فلیناوله لقمة أو لقمتین أو أکلة أو أکلتین فإنه ولي علاجه. (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۰، رقم: ۸۵۸۹
۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۷۷، رقم: ۱۹۱
۳۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۸، رقم: ۶۴۵۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب العتق، باب إذا أتاه خادمه بطعامه، ۲: ۹۰۲، رقم: ۲۴۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، باب إذا أتاه خادمه بطعامه فلیناوله معه، ۲: ۱۰۹۴، رقم: ۳۲۸۹

”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے اور وہ اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنے کے لئے بٹھا بھی نہ سکے تو ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک نوالہ یا دو نوالے ہی دے دے کیونکہ اس نے بھی تو اس (کھانے) کو تیار کرنے کے لئے زحمت اٹھائی ہے۔“

اسی طرح اسلام آجر کو اس امر کی بھی ترغیب دیتا ہے کہ وہ مزدور کو اپنے منافع میں بھی شریک کر سکتا ہے۔ یہ شرکت بہتر کام کرنے کے سلسلے میں بذریعہ حوصلہ افزائی اور انعام کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ محولہ بالا حدیثِ مبارکہ میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ آجر اگر مزدور کو اس کے کام کی منفعت میں شریک کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے محبت و عزت اور باہمی تعاون کے جذبات پیدا ہوں گے جو آجر، اجیر اور کام کے ضمن میں سود مند ہوں گے۔

۱۰۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے سرمایہ داروں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنے ملازموں، مزدوروں اور ماتحتوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں، ان کو وہی شفقت و محبت دیں جو اپنی اولاد کو دیتے ہیں اور ان کی عزت و تکریم کا خیال رکھیں آپ ﷺ نے فرمایا:

فأكرموهم ككرامة أولادكم وأطعموهم مما تأكلون. (۱)

”ان کی ایسی عزت افزائی کرو جیسی اپنی اولاد کی کرتے ہو اور انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔“

اَجیر (مزدور) کی ذمہ داریاں

جس طرح اسلام نے آجر کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا ہے اسی طرح اجیر پر

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب الإحسان إلى المماليك، ۲: ۱۲۱۷، رقم: ۳۶۹۱

۲۔ منذري، الترغيب و الترهيب، ۳: ۱۴۹، رقم: ۳۴۴۴

بھی کچھ ذمہ داریاں ڈالی ہیں جن کا احساس کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا اجیر کے فرائضِ منصبی میں سے ہے۔ ذیل میں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ مزدور کو عزت دیتے ہوئے سب سے پہلے اسے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کام میں مہارت حاصل کرے تاکہ اپنے فرض کے ساتھ پورا پورا انصاف کرسکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إن الله يحب إذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه.(۱)

”یقیناً اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی جب کسی کام (پیشہ) کو اپنائے تو اس میں پوری مہارت حاصل کرے۔“

اجیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کام کو کرنے کا ذمہ لیتا ہے اس میں وہ کام کرنے کی صلاحیت اور مہارت بھی رکھتا ہو۔ اس کے برعکس کام سے ناواقف ہو اور پھر بھی کام کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر غلط اور بے ایمانی ہے اور یہ دھوکہ دہی اور منافقت کے مترادف ہوگا۔ اس ضمن میں قرآن مجید بھی رہنمائی فرماتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیزِ مصر نے اپنا مشیرِ خاص بنانے کا فیصلہ کرلیا تو آپ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں چونکہ زمین سے متعلقہ معاملات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اس میں مہارت رکھتا ہوں اس لئے مجھے اسی کام پر ہی مامور کیا جائے۔ قرآن مجید آپ علیہ السلام کے الفاظ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝(۲)

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۹، رقم: ۴۳۸۶
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۵، رقم: ۸۹۷
۳۔هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۸، رقم: ۶۴۶۰
(۲) يوسف، ۱۲: ۵۵

''یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: (اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمینِ (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کر دو، بیشک میں (ان کی) خوب حفاظت کرنے والا (اور اقتصادی امور کا) خوب جاننے والا ہوں۔''

۲۔ مزدور کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے اس کے تعمّل میں لگن، اخلاص، دلجمعی اور نیک نیتی کا اظہار کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

خير الكسب كسب العامل إذا نصح. (۱)

''بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام سرانجام دے۔''

۳۔ مزدور اپنے مالک کے ساتھ امانت اور دیانتداری کا مظاہرہ کرے۔ کام میں انہماک، لگن، دلجمعی اور دلچسپی لازمی ہے۔ تمام اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے سچائی، دیانتداری اور ذمہ داری کو اپنانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین کی طرف سفر کرنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ دورانِ سفر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک نے اپنے والدِ محترم کو یہ مشورہ دیا:

قَالَتۡ اِحۡدٰهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ۝ (۲)

(۱) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، رقم: ۶۲۱۳
(۲) القصص، ۲۸: ۲۶

’’ان میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے (میرے) والدِ گرامی! انہیں (اپنے پاس مزدوری) پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)o‘‘

اس آیتِ کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بہترین اجیر وہ ہے جو قوی ہو اور امانت دار بھی ہو۔ اسلام میں امانت داری کا موضوع بہت وسیع حیثیت کا حامل ہے۔ امانت داری زندگی کے ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ جو اس کو چھوڑتا ہے یا حیلوں اور بہانوں سے اس سے اجتناب کرتا ہے وہ گمراہی کی راہ پر ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استعملناه على عمل فرزقناه رزقًا فما أخذ بعد ذلك فهو غلول.(۱)

’’جس کسی کو ہم کسی کام کے لئے مقررہ تنخواہ (اجرت) پر متعین کریں اور وہ اپنی اجرت سے زیادہ (کسی بھی ذریعہ سے) لے گا تو وہ غبن ہوگا۔‘‘

اسی طرح کسی اجیر کو یہ روا نہیں کہ وہ بلا کسی حقیقی یا شرعی عذر کے کام کو ادھورا چھوڑ دے یا معاہدہ کے بعد اس میں غلو کرے اور بلا وجہ مشاہرہ، مزدوری یا اجرت میں اضافہ کا مطالبہ کرنا شروع کر دے اور اگر مطالبہ پورا نہ ہو تو کام چھوڑ کر بھاگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في أرزاق العمال، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۹۴۳

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۶۳، رقم: ۱۴۷۲

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۵۵، رقم: ۱۲۷۹۹

(۲) الانفال، ۸: ۲۷

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہوo‘‘

۴۔ مزدور کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالک کے ساتھ کئے گئے معاہدہ اور وعدہ کی پاسداری کرے اور اپنی ذمہ داری کام ختم ہونے تک نبھائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.(۱)

’’اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔‘‘

۵۔ اسلام کی عظیم تعلیمات میں امدادِ باہمی اور تعاون بھی شامل ہیں۔ یہ اصول آپس میں محبت و الفت اور یگانگت کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.(۲)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کے تحت ایک دوسرے کا فائدہ اور بھلائی سوچنا اور اس ضمن میں عملی اقدامات کرنے کا سبق ملتا ہے۔ اس طرح کے اقدامات میں انجمن سازی (Unionism) کا تصور بھی ملتا ہے۔ یعنی مشترکہ بھلائی اور مفاد کے سلسلے میں نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی انداز میں بھی عامۃ الناس کے لئے کام کیا جائے۔ چنانچہ معاشی میدان میں تجارتی انجمن (Trade Unions) بنائی جا سکتی ہیں۔ اسلام ایسی انجمنیں بنانے کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب بھی دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

تری المؤمنین في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد

(۱) المائدة، ۵: ۱

(۲) المائدة، ۵: ۲

إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.[1]

”تم مؤمنوں کو ان کے آپس میں رحم کرنے، آپس میں محبت کرنے اور آپس میں لطف و احسان کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھو گے جس کے کسی ایک عضو کو جب کبھی تکلیف ہوتی ہے اور سارا جسم بیداری اور تکلیف میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔“

محولہ بالا قرآنی آیت اور حدیثِ مبارکہ اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ مزدوروں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی یونین بنائیں لیکن یہ یونین ذاتی مفاد، سیاسی امور، وسیع استحصال (Mass Persecution) اور اختلاف برائے اختلاف کے مقاصد کی حامل نہ ہو بلکہ مزدوروں کی اجتماعی فلاح و بہبود، ان کے جائز مطالبات کو منوانا، جملہ فطری حقوق کے حصول، معاشی و معاشرتی خوشحالی، بہتر مستقبل اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لئے ہو۔ مزدور یونین کا غلط استعمال خود مزدوروں کے نقصان، معاشی بدحالی، کارخانوں اور ملوں کی تالہ بندی، ہڑتالوں، جھگڑا فساد، لاقانونیت، قتل و غارت، بھوک، بے روزگاری، بیماری، افلاس اور مجموعی طور پر ملکی معیشت کے زوال کا باعث ہو گا۔ ان سب معاشی اور سماجی برائیوں کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے اس طرح ان پر تشکیل کی گئی ایسی تمام انجمنوں (Unions) کا شدت سے رد کرتا ہے۔

اُجرت

آجر اور اجیر سے متعلق بحث کے بعد اب اجرت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اجرت ایک فرد کی جسمانی یا ذہنی کاوش کا صلہ، بدلہ یا دیئے

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

گئے وقت کا متبادل ہے جو وہ آجر سے عام طور پر زر کی شکل میں وصول کرتا ہے۔

اسلامی نظریہ کے مطابق یہ معاوضہ حاصل کرنا اس کا حق ہے۔ حق از خود کسی نسبت سے جنم لیتا ہے اور یہاں یہ حق استعمال شدہ وقت کے متبادل ہے۔ اس لئے اس کا حصول اور ادائیگی شرعی لحاظ سے ضروری ہے۔

اَقسامِ اُجرت

۱۔ اجرت بلحاظ ضرورت

۲۔ اجرت بلحاظ مہارت ومحنت

۳۔ اجرت بلحاظ کارکردگی

ان تینوں اقسام اجرت میں معاوضہ یا مشاہرہ کے تعین کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ ان تینوں کے جانچنے اور پرکھنے کے معیار جدا جدا ہیں۔ علاوہ ازیں انسانی سوچ کا معیار الگ الگ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات مزدور اپنے حق اور حقیقی معاوضہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

نظریاتِ اُجرت

معیشت دانوں نے اجرت کے مختلف نظریات بیان کئے ہیں جن میں سے اہم حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نظریہ طلب و رسد (Demand and Supply Theory)

اس نظریہ کے مطابق جس کاروبار میں مزدوروں کی طلب زیادہ ہوگی اور رسد کم ہوگی وہاں ان کی اجرت زیادہ ہوگی ۔ اس کے برعکس اگر مزدور کی طلب کم اور رسد زیادہ ہوگی تو ایسی صورت میں اجرت کی شرح گر جائے گی اور مزدوروں کی اجرت کم ہو جائے

گی۔ یہ دونوں حالتیں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ ایسی صورتوں میں ناانصافی، خودغرضی، لالچ اور استحصال کے عناصر شامل ہونے کے خطرات ہیں۔

۲۔ مختتم پیداوار کا نظریہ (Marginal Productivity Theory)

اس نظریہ کے تحت مزدور کی اجرت اس اضافہ کے مساوی ہوگی جو پہلے سے موجود بہت سے کارکنوں میں آخری کام کرنے والا مزدور لاتا ہے۔ مثلاً پہلے سے ۲۰ مزدور کام کر رہے ہیں اور وہ آجر کو ۲،۲ ہزار روپیہ کا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اب اکیسواں مزدور بھرتی کیا جاتا ہے وہ پیداوار میں ۱۰۰ روپے کا اضافہ کرتا ہے چنانچہ ان ۱۰۰ روپوں (جو اس نے اضافہ کیا ہے) کی بنیاد پر اجرت کا تعین کیا جائے گا۔

۳۔ کم از کم اجرت کا نظریہ (Minimum Wage Theory)

کسی ملک میں اربابِ اختیار مزدور کی کم سے کم اجرت کا قانون پاس کر کے اسے نافذ العمل کر دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے اس مقرر شدہ اجرت سے زیادہ یا کم اجرت کی وصولی یا ادائیگی غیر قانونی ہوگی۔

۴۔ کارل مارکس (م ۱۸۸۳ء) کا نظریہ اجرت

(Karl Marx's Wage Theory)

مزدوروں کی اجرت کے تعین کے معاملہ میں ایک اہم فلسفہ اشتراکیت یا اشتمالیت کا فلسفہ ہے جس کا بانی اور مؤسس کارل مارکس (Karl Marx) ہے۔ کارل مارکس کا فلسفہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ جدلیات پر مبنی خالص حکیمانہ مباحث

۲۔ خالص معاشی نظریات یعنی طبقاتی جنگ اور قدرِ زائد کا نظریہ

۳۔ تاریخی مادیت

کارل مارکس (Karl Marx) نے مزدور کی اجرت کا تعین کرنے کے باب میں تاریخ کا تجزیہ معاشی اور طبقاتی کشمکش کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ اس کے مطابق معاشرے میں امیر اور غریب دو عناصر ہمیشہ کارفرما رہے ہیں جن کی باہمی کشمکش سے ہی معاشرے کے حالات تبدیل ہوتے ہیں۔ اس کشمکش کے نتیجے میں سرمایہ دار یا امیر طبقہ ہمیشہ مزدور یا محنت کش طبقے کا استحصال کرتا رہتا ہے جبکہ مزدور یا محنت کش طبقہ اپنے حقوق اور مناسب اجرت نہ ملنے کے سبب سے استحصال کا شکار ہوتا رہا ہے۔ سرمایہ دار محنت کشوں کا استحصال جس طرح کرتے ہیں اس میں بنیادی طور پر قدرِ زائد کا اصول کارفرما ہے جو طبقاتی کشمکش کا باعث ہے۔ قدرِ زائد کا نظریہ کارل مارکس (Karl Marx) کے امتیازات میں شامل ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کی بنا پر وہ پست طبقے کو سرمایہ داروں سے ٹکرا جانے کے لیے تیار کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ کس طرح سرمایہ داران کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قدرِ زائد سے مراد یہ ہے کہ سرمایہ دار جو سرمایہ خرچ کر کے کوئی چیز تیار کرتا ہے اس کی قیمت اور بازار میں فروخت ہونے والی قیمت کے درمیان جو فرق ہے اسے قدرِ زائد کہا جاتا ہے۔

کارل مارکس کے مطابق ہر چیز کی پیداوار میں دو چیزیں شامل ہیں:

۱۔ خام مال: جو قدرت کا عطیہ ہے اور مفت میسر ہو جاتا ہے

۲۔ انسانی محنت

چونکہ براہ راست اس سارے عمل میں سرمایہ دار کی طرف سے کوئی contribution نہیں ہے بلکہ اصل کردار قدرت کے مفت عطیات کے میسر ہو جانے کے بعد مزدور کی محنت کا ہے لہٰذا قدرِ زائد میں ایک بڑا حصہ مزدور کو ملنا چاہیے۔ جبکہ ہوتا یہ ہے کہ کارخانے

سے تیار ہونے والی کسی بھی شے کی مارکیٹ یا منڈی میں فروخت ہونے کے بعد اس سے حاصل ہونے والی قیمت جو کارل مارکس کے نزدیک قدرِ زائد ہوتی ہے، مزدور کا حق ہے۔ اس کا بہت کم حصہ مزدور کے حوالے کیا جاتا ہے جبکہ اس کا بڑا حصہ سرمایہ دار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

کارل مارکس (Karl Marx) اس مسئلے کا حل یہ بتاتا ہے کہ سرمایہ دار سے اختیارات لے کر بتدریج مزدوروں یا محنت کشوں میں منتقل کر دیئے جائیں اور اس طرح مزدور ایک اجتماعی یا اشتراکی معاشرے کو تشکیل دیں جس میں سرمایہ جو کہ استحصال کی بنیاد ہے اس کا کوئی وجود نہ ہو بلکہ قدرِ زائد (Surplus Value) پر کلی اختیار مزدور کا ہی ہو۔

جہاں تک اس نظریئے کی تاریخی اہمیت کا تعلق ہے اس حوالے سے یہ نظریہ بہت اہم ہے کہ یہ معاشی نظریات کے باب میں ایک نئے تصور کا اضافہ ہے۔ گو اس کے پسِ منظر میں کارفرما جتنے بھی اشتمالی یا اشتراکی نظریات ہیں وہ پہلے ہی سے متداول یا متعارف تھے۔ کارل مارکس نے صرف ان نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی باہمی تنظیم و تشکیل اس طرح کی کہ ایک نیا معاشی نظریہ وجود میں آ گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کارل مارکس کا یہ نظریہ جتنا نظریاتی طور پر پُرکشش ہے اتنا ہی حقیقی طور پر ناقابلِ عمل۔ اہلِ علم نے اس نظریئے کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کئی حوالوں سے اس کو محلِ نظر ٹھہرایا ہے مثلاً کارل مارکس نے اپنے نظریئے کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر رکھی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب جدلیاتی طریقے سے تاریخ آگے بڑھتی ہے تو ہر نیا وجود پہلے وجود سے بہتر ہوتا ہے لیکن تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کارل مارکس کا یہ تصور کلیتاً غلط ہے کیونکہ مغرب میں رومۃ الکبریٰ اور عالمِ اسلام میں بغداد، اسپین اور دہلی میں مسلمانوں کو زوال کے بعد ان مراکز کو اس سے بہتر حالات میسر نہیں آئے۔ اگر تاریخ کا جدلیاتی نظریہ ارتقاء درست ہوتا تو ان تمام مراکز کے زوال کے بعد آنے والے ادوار بہتر ہوتے۔

اسی طرح کارل مارکس (Karl Marx) نے طبقاتی کشمکش کو اپنے نظریئے کی

بنیاد بناتے ہوئے انسانی فطرت میں ایثار و قربانی جیسی اعلیٰ اقدار اور جذبات کو نہ صرف نظر انداز کیا ہے بلکہ انسان کو ایک منفی معاشی اور محض اقتصادی جذبے پر مشتمل ایک ایسی مشین کے پرزہ (Cog of Machine) کے طور پر پیش کر دیا ہے جو انسانی وقار اور اعلیٰ انسانی اقدار جن سے تاریخ بھری پڑی ہے، کے منافی ہے۔

یہی حال کارل مارکس (Karl Marx) کے نظریہ قدرِ زائد کا بھی ہے۔ یہ درست ہے کہ خام مال قدرت کا عطیہ ہے لیکن کوئی بھی خام مال اشیاء کی تیاری تک مکمل طور پر مفت میسر نہیں آتا۔ اسی طرح اگرچہ خام مال اور مزدور کی محنت جنہیں کارل مارکس نے بنیادی عناصرِ تخلیق ٹھہرایا ہے، اہمیت کے حامل ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ وہ اہم کردار جو سرمایہ دار یا منتظم کی طرف سے اشیاء کی تیاری کے لیے ادا کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں قدرت کی طرف سے ملنے والے مفت عطیات اور مزدور کی محنت نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں، ان کو کارل مارکس کے نظریہ قدرِ زائد (Surplus Value) میں کلیتاً نظر انداز کر دیا گیا ہے جو ایک لحاظ سے معاشی سرگرمیوں کی یکطرفہ اور انتہا پسندانہ توضیح و توجیہہ ہے اور اس توضیح و تشریح پر مبنی کوئی بھی نظریہ ایک ایسا معتدل اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتا جس میں محنت کش یا مزدور کو اس کا حقِ محنت منصفانہ اور عادلانہ بنیادوں پر ادا کیا جا رہا ہو۔

مذکورہ بالا تمام تر نظریات صرف لفاظی کی حد تک ہیں جن میں حد درجہ سقم، افراط و تفریط، ناانصافی، حق تلفی وغیرہ کے عناصر موجود ہیں۔ تاریخ نے واضح کیا ہے کہ عمل کے میدان میں یہ سارے دعوے اور نظریات کاغذات کے پھول اور کھوٹے سکے ثابت ہوئے۔ مزدوروں کی خود مختاری اور آزادی کا نعرہ لگانے والوں نے خود مزدوروں کا استحصال کیا بلکہ ان کا جینا مرنا اجیرن کر دیا۔ آج بھی اشتراکی ممالک میں گاڑیوں میں اونچے نیچے طبقے، فوجی افسران کے خطابات کی تجدید اور تنخواہوں میں تفاوت طبقاتی مساوات کی کھلی نفی کر رہی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں اجرت کے ایسے نظریئے کی

ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے جو مذکورہ بالا نقائص سے پاک ہو، حق و صداقت پر مبنی ہو اور مزدوروں کے مسائل حل کرنے کا ضامن ہو۔ اس ضمن میں صرف اسلام ہی وہ نظامِ اجرت پیش کرتا ہے جو فطری اور ہمہ گیر ہونے کی صفات رکھتا ہے، قابلِ عمل اور قابلِ تنفیذ ہونے کے ساتھ ساتھ آجر، اجیر اور اجرت کی حقیقی نشاندہی کرتے ہوئے انسان، خواہ وہ مزدور ہی کیوں نہ ہو، کو سکھ چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور ہر لحاظ سے مضبوط اور حقیقی ہے علاوہ ازیں وہ محنت کشوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی خوشحالی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

۵۔ اسلامی نظریہ اجرت (Islamic Wage Theory)

اسلام اعتدال کا مذہب ہے اس کی تعلیمات الہامی ہونے کے ساتھ ساتھ فطری بھی ہیں۔ اجرت کے تعین کے بارے میں اس کا پیش کردہ نظریہ جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ آجر اور اجیر میں باہمی یگانگت و تعاون کے جذبات پیدا ہوں اور معاملہ کرتے وقت فریقین صرف اپنے فائدہ ہی کا پہلو پیشِ نظر نہ رکھیں بلکہ ایسا رویہ اختیار کریں کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مدد و معاون اور خیر اندیش ثابت ہوں چنانچہ اسلام اجرت کے ضمن میں 'عادلانہ اجرت کا نظام (Equitable Wage system)' روشناس کراتا ہے۔ اس نظام کے تحت مزدور کی اجرت اتنی مقرر کی جائے جو اس کو بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کر سکے۔ آجر اور اجیر اس حد تک تو برابر ہوں کہ دونوں اپنے اپنے حالات میں رہ کر دو وقت کی روٹی عزت سے کھا سکیں۔ مزدور کی اجرت زندگی کی بنیادی ضرورتیں (خوراک، لباس، رہائش) اس کے معیار کے مطابق فراہم کرنے کی حامل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ سرمایہ دار مزدور کی اجرت کم سے کم کر کے امیر سے امیر تر ہوتا چلا جائے اور محنت کش پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جائے۔ یہ صورتحال ملکی معیشت، عوام الناس، معاشی و معاشرتی ترقی، پرسکون ماحول اور امن و آشتی کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوگی۔

اِسلامی لیبر پالیسی (Islamic Labour Policy)

اسلامی لیبر پالیسی کے اہم خد وخال حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ انسانی محنت خریدنی جنس نہیں

(Human Labour is not a Purchasable Commodity)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝(۱)

’’اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۝‘‘

اس آیتِ کریمہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عزت وشرف کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ عزت وشرف جامع اور مکمل ہے یعنی اس کا اطلاق انسان کے ہر شعبۂ زندگی پر ہوتا ہے۔ اب اگر ایک مزدور اپنی حاجات یا ضروریات کے تحت مزدوری کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو یا اپنی اجرت کو آجر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور نہ ہی آجر کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے مزدور کی خدمات لے کر اسے اپنا غلام بنا لیا ہے بلکہ اگر آجر اور اجیر کے درمیان کوئی کام سرانجام دینے کا معاملہ یا معاہدہ ہوا ہے تو وہ ایک دوسرے کے باہمی مفاد (Mutual Interest) اور ضرورت کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں کوئی بائع یا مشتری نہیں ہے۔ یہ معاملہ یا معاہدہ برابری، اخوت، باہمی اعتماد و

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

احترام پر مبنی ہے کسی کو نیچا دکھانے، اپنی بڑائی جتانے یا مزور کو dipress کرنے کے لئے نہیں۔ اصل میں یہ اجرت، مشاہرہ یا تنخواہ وغیرہ اس وقت کا بدل یا متبادل ہے جو اجیر (مزدور) کسی اور ذریعہ سے اپنے نان ونفقہ حاصل کرنے میں خرچ کر سکتا تھا۔

۲۔ نفیِ ظلم و نااِنصافی

(Prohibition of Injustice and Inhuman Treatment)

معاملہ بندی میں آجر اس امر کا خیال رکھے کہ اجیر سے اپنی ضرورت کو پورا کرانے میں اس کے ساتھ ظلم اور ناانصافی سرزد نہ ہو۔ ظلم اور ناانصافی سے اجتناب کام کے آغاز، درمیان اور اختتام تک جاری رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح محبت اور حسنِ سلوک کے جذبات رکھنا بھی لازمی ہے۔ تھکان کی صورت میں مزدور کو آرام کرنے کی سہولت دینا، بروقت اجرت کی ادائیگی اور ناگہانی حالت میں اس کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ اُجرت کی درجہ بندی اور عادلانہ اجرت

(Categorization of Labour and Honorable Equitable Wages)

عصرِ حاضر میں سرمایہ دار مزدوروں کی رسد میں اضافہ کی وجہ سے کم اجرت ادا کرتا ہے جبکہ دوسری طرف مزدور وسیع پیمانے پر بے روزگاری (Large scale Unemployment) کی وجہ سے کم اجرت پر کام کرنے کے لئے مجبوراً راضی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مزدور سے کام زیادہ لینا اور مشاہرہ کم دینے کا بھی رواج عام ہے۔ بسا اوقات مزدور کو کام پر لگا لیا جاتا ہے اور کام مکمل ہونے پر اپنی مرضی سے اجرت دی جاتی ہے جو اکثر کم ہوتی ہے۔ علاوہ اجرت کی ادائیگی میں من مانی رکاوٹ، تاخیر اور پریشان کن ترکیبیں استعمال کرکے مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اسلامی لیبر پالیسی میں ان تمام امور کا سدباب کیا گیا ہے بلکہ ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مطل الغني ظلم.(۱)

”مالدار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔“

متذکرہ بالا تمام استحصالی رویوں اور معاشی برائیوں کی حوصلہ شکنی اور ان کی بیخ کنی کے لئے اسلام عادلانہ اجرت (Equitable wages) کا تصور پیش کرتا ہے جس کے تحت ہر محنت کش کو اتنی اجرت ملے گی جو اس کے گزر اوقات کے لئے کافی ہو۔ یہاں حکومتِ وقت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ ان امور میں نگرانی کرے اور ایسے قوانین بنائے جو محنت و اجرت میں توازن پیدا کریں تاکہ ملک میں معاشی ترقی و خوشحالی ہو اور محنت کش طبقہ بھی امن وسکون کی زندگی بسر کر سکے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اقدامات مستحسن ہوں گے:

- ملوں اور کاروبار کے منافع میں مزدوروں کا حصہ
- سالانہ ایک یا دو بونس
- بہتر کارکردگی پر انعام واکرام
- محنت کش کی کفالت (ہر شعبۂ زندگی میں مثلاً صحت، رہائش، تعلیم اور اکتسابِ ہنر وغیرہ)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم المطل الغي وصحة الحوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملى، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغي أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

۴۔ جبری مشقت کی نفی (Prohibition of Forced Labour)

قرآن مجید کی تعلیمات و ہدایات آفاقی ہیں۔ اس کے راہنما اصول زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہیں۔ معاشرتی و معاشی اعتبار سے بھی ’’جبر‘‘ کو ناپسند کیا گیا ہے چنانچہ عورتوں، بچوں اور محتاجوں (Destitutes) وغیرہ سے ان کی استطاعت سے زیادہ کام لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.(۱)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

گویا اللہ ﷻ کی سنت ہے کہ وہ کسی پر اس کی مقدور بھر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی انسانوں کی توجہ اسی امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ بھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جبراً یا ان کی استطاعت سے زیادہ مشقت نہ لیں اگر ہو سکے تو اس امر سے کلیتًا اعراض کیا جائے۔ اسی ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

۱۔ ولا تکلّفوهم ما یغلبهم.(۲)

’’اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مغلوب کر دے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرزِ عمل کو اپنائے رکھا اور اسی کی تعلیم دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

۲۔ لا تکلّفوا الأمة غیر ذات الصنعة الکسب ...... ولا تکلّفوا

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المعاصي من أمر الجاهلیة ولا یکفر صاحبها بارتکابها إلا بالشرك، ۱: ۲۰، رقم: ۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سنان المملوك مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۱۶۶۱

الصغیر الکسب.(۱)

''جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو...... اور نہ ہی چھوٹے بچے کو کام پر مجبور کرو۔''

پس ضروری ہے کہ مزدور کو زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا اس کے حقوق کی پامالی اور ظلم و استحصال کے مترادف ہوگا۔

۵۔ اضافی محنت پر اضافی اجرت

(Extra Wage For Extra Labour)

جس طرح مزدور سے جبر و اکراہ کے ساتھ کام لینے کی نفی کی گئی اسی طرح اضافی کام کے لئے اضافی اجرت دینے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ معاہدہ کرتے وقت کام کی خاص مقدار طے کی گئی تھی اب اگر کسی وجہ سے کام بڑھ گیا ہے تو اس کی اضافی اجرت ادا کرنا لازمی ہے۔ اس ضمن میں اضافی وقت (Over Time) لگانے کی اجرت ادا کرنے میں موسمی حالات وغیرہ کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

۶۔ اضافی حقوق کی ادائیگی (Provision of Fringe Facilities)

اسلامی لیبر پالیسی میں حقِ محنت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ اضافی حقوق کی ادائیگی بھی لازمی قرار دی گئی مثلاً پنشن (Pension)، بڑھاپے میں دی جانے والی سہولتیں (Old Age Benefits)، وفات کے بعد متاثرہ خاندان کی مدد (After Death Benefits)، قرضِ حسنہ (Interst Free Loans)، ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد طبی سہولتیں (Medical Facilities) اور پنشن میں گاہے بگاہے اضافہ

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(Increase in Pension) قابلِ ذکر امور ہیں۔

۷۔ سرمایہ، ہنر اور محنت میں توازن

(Balance in capital, Skill and Labour)

عاملینِ پیدائش میں سرمایہ، ہنر اور محنت اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں سرمایہ بہت اونچا اور مضبوط درجہ رکھتا ہے، ہنر کا درجہ بہت نیچے ہے مگر قدرے قابلِ قبول ہے جبکہ محنت کو محرومی اور ذلت گردانا جاتا ہے۔ دورِ جدید میں مکر وفریب کی چالوں سے محنت کو حد درجہ ذلیل (Degrade) کیا گیا ہے جبکہ یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اربابِ اختیار، ماہرینِ معاشیات اور منصوبہ بندی کرنے والے مذکورہ بالا عوامل (سرمایہ، ہنر، محنت) میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ایسی کوشش ملک وملت اور عوام الناس کی خوشحالی و ترقی کی ضامن ہوگی۔

۸۔ عورتوں اور بچوں سے مشقت کی ممانعت

(Prohibition of Women and Child Labour)

بچے کسی بھی قوم کے مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں اور خواتین معاشرہ کا ناقابلِ فراموش حصہ ہوتی ہیں۔ ان کی اچھی تعلیم و تربیت اچھے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ اکثر بچے، خاص طور پر گاؤں دیہات میں، سکول نہیں بھیجے جاتے اور کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کی تنخواہ یا دیہاڑی سے گھر کے خرچ میں مدد مل سکے۔ یہ سب وقتی طور پر کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن مستقبل میں اس کے منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔ تعلیم وتربیت کا فقدان ان میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ بہتر ماحول، معاشرہ میں باعزت مقام اور محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان میں معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ سگریٹ نوشی، بدکلامی، خودغرضی، پیسے کی ہوس، غم وغصہ کے جذبات اور بڑے ہوکر سرمایہ دار سے مخالفت، دشمنی اور بدلہ لینے کی خواہشات ان کے کردار کو تباہ کر

دیتی ہیں۔ یہ تمام برائیاں اکثر ان سے بچپن میں مزدوری کرانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں سے محنت و مزدوری کروانے کو ممنوع قرار دینا اور ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا قوم و ملت کے لئے ضروری ہے۔

ایسا ہی کچھ حال خواتین سے مزدوری کروانے سے ہوتا ہے۔ کام پر جانے کی وجہ سے اکثر اوقات خواتین اپنے بچوں پر توجہ نہیں دے پاتیں جس کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تكلّفوا الأمة غير ذات الصنعة الكسب فإنكم متى كلّفتموها ذلك كسبت بفرجها ولا تكلّفوا الصغير الكسب فإنه إذا لم يجد سرق وعفوا إذ أعفكم الله وعليكم من المطاعم بما طاب منها. (۱)

''جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو جب تم اس کو مجبور کرو گے تو وہ اپنی شرمگاہ کے ذریعے کمائے گی اور چھوٹے بچے کو کام پر مجبور نہ کرو جب وہ (کام) نہیں پائے گا تو چوری کرے گا، تم ان پر (محنت کو) معاف کردو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معاف کی ہے اور اپنے لئے پاکیزہ و حلال روزی کو لازم کرلو۔''

۹۔ محنت کشوں کا اخلاقی اور قانونی استحقاق

(Ethical and Legal Rights of The Labourers)

قرآن مجید کی بے شمار آیات محنت کشوں کے اخلاقی و قانونی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتی ہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(۱) اخلاقی استحقاق

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ.(۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

۲۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ط قُلِ الۡعَفۡوَ.(۲)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

ایسی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مزدور تک اس کا حق پہنچایا جائے یعنی اس کی مزدوری کی بروقت ادائیگی اس کا استحقاق ہے۔ دینی تعلیمات کے تحت یہ حق ادا کرنا اخلاقی فرض ہے جو کہ ہر آجر پر عائد ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں مزدور کے اخلاقی استحقاق کا کثرت کے ساتھ بیان موجود ہے۔ جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

(۲) قانونی استحقاق

جہاں تک محنت کش کے قانونی استحقاق کا تعلق ہے اس کے لئے اسلام میں

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۱۹

واضح قانون سازی کی گئی ہے جس کی تفصیل وتشریح قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ مثلاً اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

۱۔ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۱]

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○''

۱۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۲]

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○''

یہ فرمانِ خداوندی واضح طور پر بیان کر رہے ہیں کہ مالدار کے مال میں مزدور کا حصہ ہوتا ہے جو قانونی استحقاق کی غمازی کرتا ہے جسے بجا لانا آجر پر قانونی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا:

من أحيا أرضاً ميتة فهي له.[۳]

''جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کے لیے ہے۔''

اس طرح مزدور کے قانونی استحقاق کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ہر مقام پر اسلامی تعلیمات کے تحت محنت کشوں کے اخلاقی اور قانونی حقوق کا خیال رکھا جائے جو حقیقت، عقل و دانش، انصاف اور صداقت پر مبنی ہیں۔ اس ضمن میں

(۱) الذاريات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

درج ذیل اقدامات مستحسن ہوں گے:

ا) رعایتی قیمتوں پر اشیائے خوردنی و دیگر ضروری اشیائے صَرف فراہم کرنے کے لئے خصوصی سٹورز کا قیام۔

ب) سستی رہائش کی فراہمی یا ادارے کی طرف سے مفت رہائش کی سہولت۔

ج) مزدور طبقہ کے معیارِ زندگی کو بہتر کرنے اور ان کی غربت کے خاتمہ (Elimination of Poverty) کے لئے غور و فکر اور عملی اقدامات کرنا۔

د) ورکرز سیکورٹی منسٹری (وزارت برائے تحفظِ مزدوراں، Labour Security Ministry) کا قیام۔

ر) مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کا انتظام و انصرام۔

س) صحت کے مراکز، ہسپتال اور ان میں ادویات کی فراہمی۔

www.MinhajBooks.com

باب دہم

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ○

(الحج، ۲۲: ۴۱)

اِسلامی معاشی نظام کی تنفیذ

www.MinhajBooks.com

کوئی بھی تصور، نظریہ یا اصول اگر تنفیذ کے عمل سے قاصر ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اسلام کا خاصہ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی ہدایت، اصول وضوابط یا احکام پیش کرتا ہے تو اس کے تنفیذی یا اطلاقی پہلو (Applied side) کو نظر انداز نہیں کرتا۔ معاشی میدان میں بھی اس کا رویہ یہی ہے۔

اِسلامی معاشی تصورات قانونی شکل میں موجود ہیں

اسلامی فلاحی ریاست میں قرآن وسنت کی روشنی میں قائم معاشی و اقتصادی نظام کا لازمی نتیجہ معاشرے کے ہر فرد کی فلاح و بہبود اور ضروری کفالت کو یقینی بنانا ہے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں اس کی عملی تعبیر کا یہ عالم تھا کہ جب اہلِ خیر صدقات و خیرات کی تقسیم کے لیے معاشرے میں مستحق افراد تلاش کرتے تو انہیں کوئی ایسا فرد نہ ملتا جسے وہ صدقات وخیرات کا مال دے سکیں۔ معاشرے میں معاشی و اقتصادی خوشحالی کا یہ مثالی نظارہ دراصل اسلام کے نظامِ معیشت کے عملی نفاذ کی برکت تھا۔ تاہم یہ نکتہ قابلِ تذکرہ ہے کہ ایسی صورتحال صرف چند قوانین جو زکوٰۃ و عشر وغیرہ سے متعلق ہیں، ہی کے نفاذ سے حاصل نہیں ہوگئی تھی بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تربیت کے زیرِ اثر مسلم معاشرے میں ایسا قرآنی معاشی کلچر فروغ پایا جس میں کسی فرد کا محروم المعیشت رہنا ممکن ہی نہ تھا۔ حضور ختمی المرتبت ﷺ کے اندازِ تربیت اور شریعتِ اسلامیہ کا منشا یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے اندر اطاعتِ حق اور رضائے الٰہی کی طلب کا داعیہ پیدا کیا جائے جو انہیں بغیر کسی خارجی عمل کے اطاعت پر مائل کرے اور قانون صرف اس وقت مداخلت کرے جب احکامِ الٰہی کی تعمیل تعطل کا شکار ہو۔ آپ ﷺ کی تربیت کے زیرِ اثر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا اندازِ حیات یہ تھا کہ وہ قرآنی آیات کے نزول اور احکامِ شرعی سے آگاہی کے ساتھ ہی خود ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے اور جب تک وہ بتمام وکمال ان احکام کی تعمیل نہ کر لیتے اس وقت تک انہیں آرام اور سکون نہ ملتا۔ تعمیلِ احکام کا داعیہ ہر وقت ان کے باطن میں اس حد تک بیدار رہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی اس مقصد کے لئے سخت احکام صادر فرمانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی اور نہ ان کے معاملات میں اطاعت کے حوالے سے حکومتی سطح پر کسی خاص مداخلت کی نوبت آتی۔ چونکہ تربیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غایت اور مقصد پورا ہو رہا تھا اس کے لئے سخت قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جس دور میں نفلی نیکیوں کی مواظبت اور مداومت میں اتنا اہتمام ہوتا ہو وہاں فرائض اور واجبات کے ترک کا امکان کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟

لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ اقدار و روایات بدل گئیں۔ قومی زندگی کے اخلاقی، روحانی اور مذہبی شعبہ جات میں جو زوال آیا اس نے عامۃ الناس کو فرائض و واجبات کا ہی تارک بنا دیا۔ لوگ عزیمت کی بجائے رخصت کی راہ کو ترجیح دینے لگے۔ جب فرائض و واجبات پر عمل ہی عنقا ہوا تو سنن و مستحبات پر عمل صرف کتابوں میں تذکرے کی حد تک رہ گیا۔ وہ تمام اعمال جو عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہمیں نظر آتے ہیں، ایک مثالی اسلامی معاشرے کی ثقافتی ہیئت کا لازمی عنصر تھے۔ ان اعمال کی اس اساسی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں محض نفلی یا استحبابی نہیں سمجھا جا سکتا۔ مگر عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے انہیں نفلی و استحبابی اعمال گردانتے ہوئے ان پر عمل درآمد کو اہمیت دینا کم کر دیا۔ اندریں حالات ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ایسے احکام کو وجوب و لزوم کا درجہ دیئے بغیر محض ترغیب و تحریص کے انداز میں ان کی تبلیغ کرنا گویا فی الواقع لوگوں کو ان احکام پر صریحاً عمل نہ کرنے کی اجازت اور رخصت دینا ہے۔ جب پوری تبلیغی مساعی کے باوجود فرائض ادا نہ ہو رہے ہوں تو نفلی تعلیمات سے زندگی میں کیسے تبدیلی لائی جا سکتی ہے؟ چونکہ مذکورہ بالا احکام پر عمل درآمد خود عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں وجوب ولزوم کے انداز میں ہوتا رہا ہے جیسا کہ کئی احادیث و روایات (جن کا آگے تذکرہ آ رہا ہے) اس پر شاہد ہیں اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھا کہ فلاں حکم نفلی اور اضافی ہے اسے اس قدر اہتمام سے کیوں نافذ کیا جا رہا ہے تو دورِ حاضر میں بھی ان احکام کی تنفیذی حیثیت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان وجوبی و نفلی کی نظری و فقہی تقسیم (Theoretical Division) کی بجائے ان کی عملی تقسیم (Practical Division) ہونی چاہیے جس کا نمونہ ہمیں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں صاف طور پر نظر آتا ہے۔ تب ہی قرآن وسنت کے جملہ احکام پر عمل درآمد کی راہ ہموار ہو سکے گی چنانچہ ائمہ اسلام نے اس امر کی تائید کی ہے۔ علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وفرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم. فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه و من اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.(۱)

’’اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالِ فئی (اور بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکمِ وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، سردی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

اسلامی معیشت کو حقیقی بنیادوں پر استوار کرنے اور دولت کے ارتکاز و احتکار کو گردش و انتفاعِ عامہ میں بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل نوعیت کے عملی اقدامات کئے جائیں:

۱۔ ایجابی و امتناعی اقدامات

۲۔ اقتصادی قوانین کا نفاذ

۱۔ اِیجابی و اِمتناعی اقدامات

ذیل میں ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

(ا) اِیجابی اقدامات

ان سے مراد ایسے اقدامات ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) انفرادی اور اجتماعی سطح پر اقتصاد کا حکم

اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. (۱)

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ. (۲)

''اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ ○ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. (۱)

"(آمدن و صرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔"

(۲) کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء

لفظ کفالت ذمہ داری، ضمانت، بار اٹھانا کے معانی میں اردو اور عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے اولوا الامر حضرات کو کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ مثلاً:

من ولاه الله ﷻ شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون صاحبة وخلته وفقره. (۲)

"جسے اللہ ﷻ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔"

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۷
۵۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۱۶۹، رقم: ۴۶۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من الأمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲
۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

(۳) مال خرچ کرنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ.[۱]

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.[۲]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

احادیث نبوی ﷺ میں بھی مال خرچ کرنے کی تاکید ملتی ہے مثلاً:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليک وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآی لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه.[۳]

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الحث علی النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله وکان عرشه علی الماء، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۴۴۰۷

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔‘‘

ب) امتناعی اقدامات

اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے تحت ذرائع معیشت کے باب میں ہر سطح پر ایسے اقدامات کی نفی کی گئی ہے جو فاسد معیشت کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معاشی معاملات کے شعبہ کی اساس و بنیاد بھی عدل و انصاف کو قرار دیا گیا ہے۔ اکتسابِ دولت کے لئے صرف حلال ذرائع کی اجازت دی گئی ہے اور حرام ذرائع معاش کلیتًا ممنوع قرار دیئے گئے ہیں تاکہ معاشرے میں استحصال کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ناجائز اور حرام ذرائع معیشت کے انسداد کے لئے درج ذیل تدابیر بروئے کار لانے کا حکم دیا گیا ہے:

(ا) حرمتِ سود کا حکم

ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا. (۱)

’’اور اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔‘‘

۲۔ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۵

اَثِیۡمٍo (۱)

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo‘‘

(۲) شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم

اسلام کا نظامِ معیشت شراب، جوئے اور اس قبیل کے دیگر ذرائع معیشت سے منع کرتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ. (۲)

’’بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو۔‘‘

(۳) ناپ تول میں کمی کی ممانعت

اسلامی ریاست میں جملہ ذرائع معیشت عدل و انصاف کے اصولوں پر استوار ہوتے ہیں۔ ذرائع معیشت کی ہر صورت جو کسی بھی نوعیت کی بددیانتی اور دھوکہ دہی سے عبارت ہو، اسلام اس کی نفی کرتا ہے:

۱۔ وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَo الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَo وَاِذَا کَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ یُخۡسِرُوۡنَo (۳)

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۶

(۲) المائدة، ۵: ۹۰

(۳) المطففین، ۸۳: ۱۔ ۳

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے o یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں o اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں o‘‘

۲۔ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِo (۱)

’’اور سیدھی ترازو سے تولا کرو o‘‘

۳۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِo وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانِo (۲)

’’تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو o اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو o‘‘

(۴) دھوکہ دہی اور ظلم کی ممانعت

اسلام ہر اس ذریعہ معاش کا دروازہ بند کرنے کا حکم دیتا ہے جو معاشرے میں استحصالی بنیادوں پر حصولِ رزق کی طرف لے جاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (۳)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔‘‘

---

(۱) الشعراء، ۲۶: ۱۸۲

(۲) الرحمٰن، ۵۵: ۸، ۹

(۳) النساء، ۴: ۲۹

(۵) اسراف اور بخل کی ممانعت

اسراف وتبذیر سے منع کرتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا:

۱۔ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَo[۱]

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاo''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاo اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ.[۲]

''اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

بخل کے بارے میں فرمایا:

۳۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰیo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰیo فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰیo وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰیo[۳]

''اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہاo اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایاo تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)o اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گاo''

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۳) اللیل، ۹۲: ۸۔۱۱

خصلتان لا تجتمعان في مؤمن: البخل و سوء الخلق.(۱)

’’دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور بدخلقی۔‘‘

نظامِ مصارف کی درجہ بندی

معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر حکمِ اقتصاد کو نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کے لئے صرفِ مال کی حدود بھی متعین کر دی جائیں اور ’’نظامِ مصارف کی درجہ بندی‘‘ کے ذریعے ہر فرد اور ہر ادارے پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اس کے لئے کس قدر مال خرچ کرنا جائز ہے اور کس قدر ممنوع؟ احکامِ شرعیہ میں فرائض و واجبات، مستحبات اور محرمات و مکروہات وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظامِ مصارف کو حسبِ ذیل چھ درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

مصارف	شرعی حیثیت	حکم
حاجات	فرض	اجازت
ضروریات	واجب	//
تحسینات	مستحب	//
تزئینات	مباح	//
اسرافات	مکروہ	منع
تبذیرات	حرام	//

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخیل، ۴: ۳۴۳، رقم: ۱۹۶۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۴۹۰، رقم: ۱۳۲۸

۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۱، رقم: ۳۱۹

(۱) حاجات (Absolute Needs)

حاجات سے مراد وہ ناگزیر مصارفِ حیات ہیں جن کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہیں اور معاشرے کے ہر فرد تک ان کی فراہمی ریاست کا فرض ہے۔ بنیادی طور پر انسانی زندگی کی تین چیزیں حاجات کے زمرے میں آتی ہیں:

۱۔ خوراک (روٹی)　۲۔ لباس (کپڑا)　۳۔ رہائش (مکان)

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ان ضروریات کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے:

ليس لابن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز.(۱)

’’ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی ضروری حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔‘‘

(۲) ضروریات (Necessities)

حاجات کے بعد دوسرا درجہ ضروریات کا ہے۔ انسانی زندگی کی ضروریات وہ اشیاء ہیں جن کے بغیر بھی انسان زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن یہ زندگی انتہائی تکلیف دہ ہوگی۔ اس لئے اگر معاشرے میں ہر فرد کو حاجات میسر آ جائیں تو ریاست کا فرض ہے کہ وہ سب کے لئے بنیادی ضروریات کا بھی بندوبست کرے۔ آج کے دور میں بجلی، پانی، گیس، تعلیم اور صحت وہ بنیادی ضروریات ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱
۲۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۷۴، رقم: ۷۸۶۶
۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۴۶، رقم: ۴۶
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ۶۸۰

کا باعث بن جائے گی۔ اس لئے یہ انسانی زندگی میں ’’وجوب‘‘ کا درجہ رکھتی ہیں۔

(۳) تسہیلات (Facilities & Amenities)

تسہیلات سے مراد وہ مصارفِ حیات ہیں جو ایک پُرسکون اور پرآسائش زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔ ان سے زندگی میں راحت، سہولت اور آسائش میسر آتی ہیں۔ تسہیلات میں سواری (گاڑی، کار وغیرہ) اور ذرائع و ابلاغ (ریڈیو، ٹی وی وغیرہ) جیسی دیگر اشیاء شامل ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات میں ان کو ’’مستحب‘‘ کا درجہ حاصل ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص رزقِ حلال سے ان تسہیلات کو حاصل کر سکے تو یہ اس کا حق ہے۔

(۴) تحسینات (Decorations)

یہ ایسے مصارفِ حیات ہیں جو انسانی زندگی میں محض آسائش اور آرائش کا باعث ہوتے ہیں۔ انسان کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن اگر کوئی شخص رزقِ حلال کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور اپنے زیرِ کفالت تمام افراد کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تزئینات و تحسینات اختیار کرے تو یہ اس کے لئے ’’مباح‘‘ ہے۔

(۵) اسرافات (Luxuries)

تزئینات و تحسینات کے بعد اگلا درجہ تعیّشات و اسرافات کا ہے۔ یہ وہ غیر ضروری مصارفِ حیات ہیں جو آسائش سے بڑھ کر محض تصنّع، نمود و نمائش، بے جا آرائش و زیبائش اور تکلّفات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں ایسی چیزوں کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثالیں مختلف سماجی تقریبات کے موقع پر فضول رسمیں اور ان پر بے تحاشہ خرچ ہیں، اسی طرح Status کے نام پر دولت کی بے جا نمود و نمائش بھی اس زمرے میں آتی ہے۔

(٦) تبذیرات (Extravagancies)

تبذیرات سے مراد وہ فضول خرچی، اسراف اور پرتعیّش تقریبات ہیں جو محض غلط طریقوں سے حاصل کی گئی دولت کی نمائش اور عیش پرستی کے اظہار کے لئے منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ درحقیقت عام صارف کی ضروریات و حاجات سے زائد وہ فاضل مال ہے جسے آقائے دو جہاں ﷺ سے شرعاً و قانوناً معاشرے کے محروم المعیشت افراد کا حق قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان کی حق تلفی کرتے ہوئے یہ رقم اپنے تعیّش اور لہو و لعب میں ضائع کر دے تو اس کا یہ عمل ہرگز قابلِ معافی نہیں ہوگا کیونکہ شرعِ مبین نے ایسے عمل کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا انسداد اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اقتصادی قوانین کا نفاذ

اسلامی نظامِ معیشت کو اس کی اصل روح یعنی دولت کی منصفانہ تقسیم اور گردشِ دولت کو یقینی بنانے کا امر اس بات کا متقاضی ہے کہ اسلامی ریاست میں ایسے قوانین کا اجراء کیا جائے جو متذکرہ بالا اقدار کے قیام کی ضمانت دیں۔ ان قوانین کو دو درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ وجوبی درجہ (Obligatory Category)

۲۔ اختیاری درجہ (Voluntary Category)

ا۔ وجوبی درجہ کے قوانین (Obligatory Category)

اس درجہ میں درج ذیل قوانین شامل ہیں:

ا۔ قانونِ زکوٰۃ

۲۔ قانونِ عشر

۳۔ قانونِ وصیت

۴۔ قانونِ وراثت

۵۔ قانونِ غنائم

۶۔ قانونِ وقف

۷۔ قانون کفالتِ عامہ

۸۔ قانونِ مشارکت

۹۔ قانونِ اجرت

۱۰۔ قانونِ بیت المال

۱۱۔ قانون التعویض العائلی

۱۲۔ قانونِ رکاز

۱۳۔ قانون الطّواری

۱۴۔ قانون قرضِ حسنہ

۱۵۔ قانونِ مضاربت

۱۶۔ قانونِ ضرائب

۱۷۔ قانون نذور و کفارات

۱۸۔ قانون الاضاحی والفطر

(۱) قانونِ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے اور قرآن مجید میں نماز کے حکم کے ساتھ اس کا تیس بار ذکر آیا ہے۔ یہ نقدی، مال اور تجارتی سامان پر ۲.۵ فیصد سالانہ کے حساب سے لاگو ہوتی ہے۔ وہ زمین جو بارشوں اور چشموں سے سیراب ہوتی ہے وہاں کی پیداوار میں ۱۰ فیصد اور وہ زمین جو ٹیوب ویلز اور دیگر مصنوعی آلات سے سیراب کی جاتی ہو اُس کی پیداوار پر ۲۰ فیصد کے حساب سے ادا کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب انسانی ضروریات سے زائد مال پر ایک سال کی مدت گزر جائے۔ زکوٰۃ کے نصاب میں رہائشی مکان، استعمال ہونے والے کپڑے، خاندان کے لئے جمع شدہ سامانِ خورد ونوش، ذاتی اسلحہ، سواری، علمی کتابیں جو تجارت کی غرض سے نہ ہوں اور ایسے آلات جن کا انسان روزی کمانے کے لئے محتاج ہوتا ہے جیسے آری، آلاتِ زراعت اور آلاتِ صنعت وحرفت وغیرہ کا شمار نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ میں درج ذیل چیزوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے:

۱۔ زکوٰۃ کو خاص لوگوں پر خرچ کیا جانا چاہیے جن کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں آیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡھَا وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُھُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ○ (۱)

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ سب اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے‘‘○

۲۔ زکوٰۃ دینا احسان نہیں بلکہ معاشرتی حق ہے اور اس کی وصولی پر حکومت نگران ہو سکتی ہے اور اُس کی سرپرستی میں زکوٰۃ کی تقسیم ہونی چاہیے انفرادی طور پر بھی افرادِ معاشرہ میں اپنی زکوٰۃ کی رقم قرآن و سنت کے اصولوں کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کی اہمیت قرآن و حدیث میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِھِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○ (۲)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا‘‘○

۳۔ مال کو تقسیم کرنے اور اسے عامۃ الناس تک پہنچانے کے لئے زکوٰۃ اہم ترین ذریعہ ہے۔

(۱) التوبۃ، ۹: ۶۰

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

۴۔ زکوٰۃ لوگوں کے مابین محبت اور اُلفت کو عام کر کے اخلاقی قدریں بحال کرتی ہے۔ امیر اور غریب کا فرق مٹا کر غربت کا خاتمہ کرنے میں مددگار ہے۔

۵۔ زکوٰۃ ہر شہر میں تقسیم کی جائے اور اگر اُس شہر میں بسنے والوں کی ضروریات سے اضافی ہو جائے تو بیت المال میں بھیج دی جائے تاکہ اُن مستحق لوگوں پر خرچ کی جا سکے جو دوسرے شہروں میں مقیم ہیں۔ اس سے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہوگا اور ایک ہی وقت میں ملک کے تمام علاقوں میں معاشرتی تعاون کی فضا پیدا ہوگی۔

۶۔ زکوٰۃ کی بیت المال میں خاص حیثیت ہے۔ لہٰذا اسے دوسرے مقاصد کے لئے خرچ نہ کیا جائے بلکہ جن مقاصد کے لئے اسے مختص کیا گیا ہو انہیں مقاصد کے لئے خرچ کیا جائے۔

(۲) قانونِ عشر

عشر زکوٰۃ کی طرح ایک ایسا مقرر حصہ ہے جو زرعی پیداوار پر دینا واجب ہوتا ہے خواہ وہ زرعی پیداوار عرب کی زمین سے حاصل ہو یا غیر عرب مسلمانوں کی زمین سے۔ اسی طرح خواہ وہ مجاہدین اور مالِ غنیمت لینے والوں کے حصے کی زمین سے ہو یا اس بنجر زمین سے جس کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو، اسی طرح خواہ وہ کسی مرنے والے ذمی کی زمین سے ہو یا کسی ایسی زمین سے جس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہو۔ اس طرح کی تمام زمینوں کو ''عشری زمینیں'' کہا جاتا ہے۔

اگر عشری زمین کسی چشمے یا بارشوں سے سیراب کی جائے تو اس صورت میں اس زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور اگر زمین مصنوعی ذرائع آبپاشی (جیسے ٹیوب ویل) یا کنوؤں کے ذریعے سیراب کی جائے تو ایسی زمین کی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

قرآن مجید میں عشر کے وجوب پر واضح احکامات موجود ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا. [۱]

”اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔“

احادیث میں عشر کی تفصیل موجود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فيما سقت السماء والعيون، أو كان عثريا، العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. [۲]

”وہ اراضی جو بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے اُس پر دسواں حصہ (عشر) لاگو ہوتا ہے اور جو مصنوعی آلات سے سیراب ہوتی ہے اُس پر بیسواں حصہ (نصف عشر) لاگو ہوتا ہے۔“

یہ حدیث مبارکہ اس بنیادی فرق کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین بغیر کسی واسطے یا بغیر کسی اجرت اور محنت کے سیراب کی جائے تو اس زمین کی پیداوار پر عشر زیادہ ہو گا اور اگر زمین کسی (مصنوعی) ذریعے سے سیراب کی جائے جیسے کنویں کے ذریعے سیراب کرنا یا آلات کے ذریعے جیسے ٹیوب ویلز اور ایسی نہروں کے ذریعے سیراب کرنا جن کا پانی استعمال کرنے پر ٹیکس ادا کرنا پڑے تو اس صورت میں بیسواں حصہ یعنی کم عشر دیا جائے گا۔

---

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب العشر فيما سقى من ماء السماء وبالماء الجاري، ۲: ۵۴۰، رقم: ۱۴۱۲

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة فيما يسقى بالأنهار وغيره، ۳: ۳۲، رقم: ۶۴۰

(۳) قانونِ وصیت

خیر و بھلائی کے پیشِ نظر اسلام نے انسان کو اپنے ثلث مال (۱/۳) کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر وارثین اسے اس سے زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دیں تو وہ زیادہ مال کی وصیت بھی کر سکتا ہے اور اجتہادی مذاہب میں یہ بات واضح ہے کہ غیر وارث رشتہ داروں کے لئے ثلث (۱/۳) کی مقدار وصیت کرنا واجب ہے۔ اسی چیز کے پیشِ نظر شام میں اس کو شخصی قانون بنا کر اسے نافذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مصر میں بھی اسی قانونِ وصیت پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہی قانون وراثت سے محروم یتیم پوتوں کے لئے واجب وصیت کی بنیاد ہے۔

(۴) قانونِ وراثت

اسلام نے جو مختلف قوانین وضوابط عطا کئے ان میں ایک قانونِ وراثت بھی ہے جو دولت کے اکتناز کی بیخ کنی کرتا ہے۔ دولت کا ایک جگہ جمع ہوتے رہنا اور مستحق افراد میں تقسیم نہ ہونا سرمایہ داری اور اکتناز کی بدترین شکل ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر مال و دولت، زمین اور جائیدادیں ورثاء میں تقسیم ہوتی رہیں تو یہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جانے کی بجائے ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار انسانوں کے درمیان تقسیم ہوتی رہے گی اور ان کی نفع بخشی کا باعث بنتی نظر آئے گی۔

اسلام کی آمد سے قبل دوسری اقوام میں سرمایہ داری کا نظام رائج تھا۔ اسلام کے انقلابی پیغام نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اصلاح کا فیصلہ کیا اور اس قدیم اقتصادی نظام کو اس کی تباہ کاریوں کے سبب ختم کر کے اس کی جگہ قانونِ وراثت کو جاری کیا۔

اسلام نے جب قانونِ وراثت کا اجراء کیا تو سرمایہ دارانہ معیشت رکھنے والی قوموں نے اس کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر تقسیمِ وراثت کا یہ نظام جاری کر دیا گیا تو

اس سے دولت وثروت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصے میں بڑی بڑی جائیدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں یا یونٹوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی مگر اسلام کا تو منشا ہی یہی ہے کہ سرمایہ داروں کا یہ نظام اس صورت میں باقی نہ رہے اور دولت تقسیم ہونے کی بجائے محض ''کنز'' بن کر چند مخصوص ہاتھوں میں محدود نہ ہو جائے۔ اسلامی معیشت کے اس فلسفہ کو آج رحمت سمجھا جانے لگا ہے اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت دینے کی کوشش شروع کر دی ہے یہ حقیقت عملاً سامنے آ رہی ہے کہ دولت تقسیم کے لئے ہے جمع کے لئے نہیں۔ اسلام نے اس سلسلے میں تمام اقوام سے الگ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کرتے ہوئے قانونِ وراثت کے ذریعے تقسیمِ دولت کی راہ کھول دی، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ (۱)

''مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے ○''

۲۔ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ط اِنَّ اللهَ کَانَ عَلِيْمًا حَکِيْمًا ○ (۲)

''تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی

(۱) النساء، ۴:۷

(۲) النساء، ۴:۱۱

مقرر) ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہےo‘‘

اسی ضمن میں حدیث نبوی ﷺ ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبي ﷺ قال: اقسموا المال بين أهل الفرائض على كتاب الله.[1]

’’حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے۔‘‘

۳۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo[2]

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فالأولى رجل ذكر، ۳: ۱۲۳۴، رقم: ۱۶۱۵

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث العصبة، ۳: ۱۲۲، رقم: ۲۸۹۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفرائض، باب ميراث العصبة، ۲: ۹۱۵، رقم: ۲۷۴۰

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۴۹، رقم: ۱۹۰۰۴

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۲

(۲) النساء، ۴: ۸

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بيّن الله تعالى أن من لم يستحق شيئًا إرثًا وحضر القسمة، وكان من الأقارب أو اليتامى والفقراء الذين لا يرثون أن يكرموا ولايحرموا، إن كان المال كثيرًا، والاعتذار إليهم إن كان عقارًا أو قليلًا لا يقبل الرضخ. وإن كان عطاء من القليل ففيه أجر عظيم. (١)

’’اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ وہ شخص جو وراثت کا مستحق نہیں اور تقسیم کے موقع پر موجود ہو اور وہ شخص اقرباء یا یتیموں یا فقراء میں سے ہو جو وراثت کے مستحق نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں اس کی تکریم کرو اور محروم نہ کرو اور یہ اُس وقت ہے جب مال زیادہ ہو اگر جائیداد ناقابلِ تقسیم یا کم ہو تو اُن سے معذرت کی جائے گی، اور اگر اس تھوڑے مال میں سے بھی انہیں کچھ دے دیا جائے تو اس میں بھی بہت زیادہ اجر ملے گا۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم، ويتاماهم ومساكينهم من الوصية، فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث. (٢)

’’اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ وراثت تقسیم کرنے کے وقت اقرباء، یتیموں اور مساکین کے ساتھ وصیت کے ذریعے صلہ رحمی کریں اور اگر وصیت

(١) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ٥: ٤٨

(٢) ١۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ٥: ٤٩

٢۔ ابن حزم، المحلى، ٨: ١٢٩

نہ ہوتو پھر وراثت میں سے انہیں کچھ دے کر صلہ رحمی کی جائے۔‘‘

اسلامی قانونِ وراثت میں تقسیمِ دولت کا جو طریقہ ہے وہ ایسا معتدل اور مدبرانہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا رواج عام ہو جائے تو اس سے سرمایہ دارانہ دولت کے پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا ہے اور نہ ہی افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ کشی کو فروغ مل سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے دولت کے اسباب ہر وقت گردش میں رہتے ہیں اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ تک پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم وبیش ہر فرد کو فائدہ بخشتے ہیں۔

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) نے اپنی کتاب ’’حجة اللہ البالغة‘‘ میں لکھا:

اعلم أنه أوجبت الحكمة أن تكون السنة بينهم أن يتعاون أهل الحي فيما بينهم يتناصروا ويتواسوا، وأن يجعل كل واحد ضرر الآخر ونفعه بمنزلة ضرر نفسه ونفعه ولا يمكن إقامة ذلک إلا بجبلة تؤكدها أسباب طارئة، ويسجل عليها سنة متوارثة بينهم.

فالجبلة هي ما بين الوالد والولد والأخوة وغير ذلک من الموادة والأسباب الطارئه هي التألف والزيادة والمهاداة والمواساة فإن كل ذلک يحبب الواحد إلى الآخر ويشجع على النصر والمعاونة في الكريهات.

وأما السنة فهي ما نطقت به الشرائع من وجوب صلة الأرحام وإقامة اللآئمة على إهمالها، ثم لما كان من الناس من يتبع فكرًا فاسدًا ولا يقيم صلة الرحم كما ينبغی ويعد ما دون الواجب

كثيرًا مسّت الحاجة إلى إيجاب بعض ذلك عليهم أشاءوا أم أبوا مثل عيادة المريض وفك العاني والعقل وإعتاق ما ملكه من ذي رحم وغير ذلك، وأحق هذا الصنف ما استغنى عنه بالإشراف على الموت فإنه يجب في مثل ذلك أن يصرف ماله على عينه فيما هو نافع في المعاونات المنزلية أو يصرف ماله من بعده في أقاربة.(۱)

"غور کرو! بلا شبہ عقل و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان یہ "طریقہ" لازمی اور ضروری ہونا چاہیئے کہ اہلِ قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور درد مندی و بہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع و نقصان سمجھیں اور یہ بات وہی خلقت اور جبلت کے بغیر ناممکن ہے جس کی معیشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لئے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے سنتِ متواترہ موجود نہ ہو۔

"یہاں جبلت تو اس تعلق کا نام ہے جو باپ اور بیٹے یا بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان موجود ہوتا ہے اور اسبابِ خارجی باہمی الفت و مودت، رہنمائی، غمگساری و ہمدردی وغیرہ کا نام ہے کیونکہ یہ امور آپس میں محبت پیدا کرتے ہیں اور مصائب و آلام میں ایک دوسرے کی اعانت و نصرت کا باعث بنتے ہیں۔

"اور سنت ان امور کو کہتے ہیں جن کو شریعت کی زبان لوگوں میں رشتۂ اخوت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے نہ کرنے پر قابلِ ملامت ٹھہراتی ہے۔ مثلاً یہ حکم دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری اور فرض ہے ایسا نہ کرنے

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

والا آثم اور گنہگار ہے۔ مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض انسانی طبائع برے خیالات اور بیہودہ افکار کے پیچھے لگی رہتی ہیں اور صلہ رحمی جیسے عمدہ اوصاف کے خلاف بغاوت کرتی ہیں اور بہت سے غیر ضروری کام کرنے پر آمادہ رہتی ہیں تو ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس قسم کے (اخلاقی) امور کو ضروری قرار دیا جائے اور لوگوں کے قبول وانکار سے بالا تر ہوکر ان پر لازم کر دیا جائے مثلاً عیادتِ مریض، مصیبت زدہ (مقروض وغیرہ) کی حکومتی فلاح، دیت (اقربا پر پڑے ہوئے تاوان کی ادائیگی) اپنے ذی رحم محرم کو غلامی سے نجات دلانا وغیرہ اور اس قسم کی معاونت ونصرت کا سب سے زیادہ استحقاق اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان موت کے کنارے کھڑا اور مال سے بے پرواہ ہو جائے اس لئے کہ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنی ذاتی اور معاشرتی مفید کاموں پر زیادہ سے زیادہ صرف کرے یا پھر اپنی موت کے بعد اپنے اقرباء کے لئے چھوڑ جائے اور اس طرح ان کی اعانت و مدد کرے۔ (بہرحال تقسیمِ دولت کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے)۔‘‘

(۵) قانونِ غنائم

غنائم سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں کو دشمنوں سے جنگ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے ان کی تقسیم کا خاص ضابطہ دیا ہے اور ان میں سے خمس کو معاشرے کے تنگدست افراد کے لئے مختص کر دیا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ.(۱)

(۱) الانفال، ۸: ۴۱

''اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول (ﷺ) کے لئے اور (رسول ﷺ کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔''

اسی طرح مالِ فیٔ سارے کا سارا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مختص ہے تاکہ اس کو ریاست کے غرباء میں تقسیم کیا جا سکے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

۲۔ مَآ اَفَآءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ.(۱)

''جو (اموالِ فیٔ) اللہ نے (قُرَیظہ، نَضِیر، فِدَک، خَیبر، عُرَینہ سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول (ﷺ) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہیں اور (رسول ﷺ کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطّلب) کے لئے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں۔''

علماء کرام نے ''مالِ غنیمت اور مالِ فیٔ'' میں فرق کیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مالِ غنیمت میں کتنا حصہ ہے؟ اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر اسلام نے مالِ غنیمت میں سے معاشرتی کفالت کے لئے ایسا معین حصہ مقرر کیا ہے کہ جس کی مثال ملتِ اسلامیہ کے علاوہ کسی قوم میں نہیں ملتی۔

(۶) قانونِ وقف

وقف کی دو اقسام ہیں:

(ا) خاندانی وقف (وقفِ اہلی)

(ب) خیراتی وقف

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(ا) خاندانی وقف

اس سے مقصود وقف کرنے والے کے اعزہ و اقارب اور اس کی اولاد کی معاشرتی کفالت کی ضمانت فراہم کرنا ہے اور ضروری ہے کہ اس وقف کی انتہا ایک ایسے نیک عمل کے لئے ہو جو ہمیشہ جاری و ساری رہے جیسے فقراء اور معاشرتی ادارے۔

(ب) خیراتی وقف

اس سے مراد معاشرتی کفالت کو مالی اعتبار سے سپورٹ کرنا ہے۔

زمانہ قدیم میں اسلامی ملک میں وقف نے معاشرتی اداروں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا اور اب بھی ضروری ہے کہ وقف سے معاشرتی کفالت کے قوانین کے نفاذ کی شکل میں فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس میں مختلف گروہوں میں معاشرتی عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۷) قانون کفالتِ عامہ

محتاج اور فقر و فاقہ میں مبتلا لوگوں کی کفالت کے لئے درج ذیل قوانین بنائے گئے ہیں:

۱۔ فقراء اور مساکین کے لئے قانون

۲۔ مریضوں کے لئے قانون

۳۔ نابینوں کے لئے قانون

۴۔ اپاہج لوگوں کے لئے قانون

۵۔ بوڑھوں کے لئے قانون

۶۔ پناہ گزینوں کے لئے قانون

۷۔ لاوارث لوگوں کے لئے قانون

۸۔ یتیم لوگوں کے لئے قانون

۹۔ قیدیوں کے لئے قانون

(۸) قانونِ مشارکت

یہ قانون زرعی موسم میں اور خاص طور پر پھلوں کے موسم میں کام آتا ہے۔

وہ لوگ جن کے پاس پھلوں کے مہنگا ہونے کی وجہ سے پھلوں کے خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان پھلوں میں سے کچھ پھل بغیر مالک کو قیمت ادا کیے کھا سکتے ہیں۔ اس قانون کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے اخذ کیا گیا ہے:

۱۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا.(۱)

"اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے بعد اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔"

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہ قول نقل کیا ہے جس کو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے:

۱۔ إذا حصدت فحضرک المساکین فاطرح لهم من السنبل، وإذا جذذت فألق لهم من الشماريخ، وإذا درسته وذريته فاطرح لهم منه وإذا عرفت كيله فأخرج منه زكاته.(۲)

"جب غلہ پک جائے اور مساکین اپنی ضرورت کے لئے تمہارے پاس آ جائیں

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۱

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۷: ۱۰۰

۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۹۵، رقم: ۹۲۳

تو اس پکے ہوئے غلے میں سے کچھ انہیں دے دو اور جب غلہ کاٹ لو تو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور جب تم اس غلے کو مشین سے گاہ لو (یعنی دانے نکال لو) اور اس کو ہوا میں صاف کر لو تو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور جب تمہیں اس کی (اصل) مقدار معلوم ہو جائے تو اس میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں وہ صحابہ کرام ﷺ جو کھجوروں کے مالک ہوتے ان میں سے ہر ایک کھجور کا گچھا پکنے کے وقت لے آتا پھر اس کو مسجد کے دروازے پر لٹکا دیتا اور جو کوئی چاہتا اس سے کھا لیتا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ سے مروی ہے:

أنّ النّبي ﷺ أمر من کل جاد عشرۃ أوسق من التمر بقنو یعلق في المسجد للمساکین.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ جو شخص دس وسق کھجور کاٹے وہ غرباء و مساکین کے لئے ایک خوشہ مسجد میں لٹکائے۔‘‘

اسی طرح ورثاء کے مابین وراثت کی تقسیم کے وقت اگر کوئی غیر وارث فقیر آ جائے تو ورثاء پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے اس وراثت میں سے کچھ اسے دے دیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۲۔ **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوْفًا○**(۲)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاۃ، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۹، رقم: ۱۴۹۱۰

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۸۳، رقم: ۳۲۸۹

(۲) النساء، ۴: ۸

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو‘‘o

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

بيّن الله تعالى أن من لم يستحق شيئًا إرثًا وحضر القسمة، وكان من الأقارب أو اليتامى والفقراء الذين لا يرثون أن يكرموا ولا يحرموا، إن كان المال كثيرًا، والاعتذار إليهم إن كان عقارًا أو قليلًا لا يقبل الرضخ. وإن كان عطاء من القليل ففيه أجر عظيم.(۱)

’’اللہ تعالیٰ نے آیتِ میراث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی وراثت میں حقدار نہیں ہے اور وراثت کی تقسیم کے وقت آ جائے اور وہ اقرباء یا یتیم اور فقراء میں سے شمار ہوتا ہو تو وہ اس کی تکریم کریں اور مال زیادہ ہونے کی صورت میں اسے محروم نہ لوٹائیں۔ اگر مال جائیداد کی صورت میں ہو یا تھوڑا ہو تو معذرت کی جا سکتی ہے اور اگر مال تھوڑا ہونے کی صورت میں اسے عطا کرتا ہے تو اس سے اسے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہاء کی ایک کثیر تعداد نے اس قول کو نقل کیا ہے مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم، ويتاماهم ومساكينهم من الوصية، فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث.(۲)

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۸
(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۸: ۱۲۹

’’وراثت کی تقسیم کے وقت اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ وصیت کے ذریعے اپنے اعزہ و اقارب، یتیم اور مساکین کی صلہ رحمی کریں اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو وراثت میں سے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔‘‘

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ وصیت واجب ہے یا مندوب ہے۔

(۹) قانونِ اجرت

آجر اور مزدور کے درمیان طے پانے والے معاملہ میں اجرت اہم عنصر ہے۔ اسلام کے بیان کردہ قانونِ اجرت کی وضاحت درج ذیل امور سے ہو جاتی ہے:

(۱) بغیر اجرت کے کوئی کام نہیں

اسلام کے بتائے ہوئے قانونِ اجرت کے مطابق کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جس کی اجرت نہ دی جائے۔ نیک کام کے بدلے میں نیک اور اچھی اجرت اور برے کام کے بدلے میں بری اجرت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ٥(۱)

’’جو لوگ (فقط) دنیوی زندگی اور اس کی زینت (و آرائش) کے طالب ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور انہیں اس (دنیا کے صلہ) میں کوئی کمی نہیں دی جاتی٥‘‘

اس آیت اور اس طرح کی دیگر کئی آیات میں عمل سے مراد دینی عمل لیا گیا ہے اور اس سے مراد شرعی احکام کو نافذ کرنا ہے اور لفظ ’’عمل‘‘ اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے صنعتی عمل کو بھی شامل ہے اور کسی لفظ کے عمومی معنی کے اعتبار سے یہ مفہوم لینا شریعت کے

(۱) هود، ۱۱: ۱۵

اجتہادی قواعد میں معروف ہے۔ پس یہ قانون ہے کہ کسی لفظ کے معانی میں اس معنی کو ترجیح دی جاتی ہے کہ جو اس لفظ کے عموم میں شامل ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھے کام کی اچھی جزا زندگی میں مادی جزا کو بھی شامل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کام اخروی جزا کے لئے ہو بلکہ بعض اوقات تو اس کام کی مادی جزا اخروی جزا سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس آیت میں جو لفظ ''عمل'' اخروی جزا کے بیان میں آیا ہے اس سے دنیا میں مادی جزا کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(۲) کام کے مطابق اجرت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْاۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ (۱)

''اور سب کے لئے ان (نیک و بد) اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے (جنت و دوزخ میں الگ الگ) درجات مقرر ہیں تاکہ (اللہ) ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۝''

اس آیتِ کریمہ میں تین امور کا بیان ہے:

ا۔ ہر ایک کے لئے اپنے عمل کے حساب سے علیحدہ علیحدہ درجے ہیں۔ یعنی ہر شخص کو اس کے عمل، محنت اور استعداد کے مطابق بطور اجرت دیا جانے والا درجہ، رتبہ اور مقام ہے۔

ب۔ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال (محنتوں) کی پوری پوری اجرت دے گا۔

ج۔ کسی طرح بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۱) الاحقاف، ۴۶: ۱۹

گویا اجرت انسان کے عمل (محنت) کے مطابق پوری پوری ہوگی اس میں کسی قسم کی بھی کمی یا ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔

۲۔ مزید ارشاد فرمایا:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ.[(۱)]

’’اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔‘‘

پس اگر کوئی مزدور اپنی مستحق اجرت سے کم پر مجبوری کی حالت میں راضی ہو جائے تو مالک پر اس کی مستحق اجرت دینا واجب ہوتا ہے اور کم اجرت پر اس کا راضی ہو جانا مزدور کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنا سامان اس کی اصل قیمت سے کم بیچنے پر مجبور ہو جائے لیکن حقیقت معلوم ہو جانے پر فراخدلی کا مظاہرہ کرنا عملِ صالح میں شمار ہوگا۔

(۳) معمولی سی محنت پر بھی اجرت دینا ضروری ہے

اسلام کے قانونِ اجرت کے مطابق معمولی سے معمولی محنت پر بھی اجرت دینا ضروری اور لازمی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریوں کو پانی پلا چکے تو اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اِنَّ اَبِیْ يَدْعُوْکَ لِيَجْزِيَکَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا.[(۲)]

’’میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو اس (محنت) کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (بکریوں کو) پانی پلایا ہے۔‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۸۵

(۲) القصص، ۲۸: ۲۵

اس آیت کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریوں کو پانی پلانے کی معمولی سے محنت کی بھی اجرت دی۔ اس طرح اسلام نے ایک قاعدہ بنا دیا کہ معمولی سی محنت پر بھی مزدور کو اجرت دی جائے گی۔

(۱۰) قانونِ بیت المال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی زکوٰۃ، عشر اور مالِ غنیمت پر منحصر ہوتی تھی اور یہ تمام کفالت کے معاشرتی قانون کے تحت مستحق افراد پر خرچ کر دی جاتی تھی۔

پس جب ملک وسیع ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آمدنی بڑھ گئی اور دفاتر بنائے گئے تو ملک کی تمام آمدنی مقرر کر دی گئی، اس طرح تمام مزدوروں، عطیات لینے والے اور مستحق افراد کی رجسٹریشن ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما أحد من المسلمين إلا له في هذا المال حق. (۱)

''مسلمانوں میں سے ہر ایک کے لئے اس مال میں حق ہے۔''

پھر اس کے بعد انتہائی توجہ کے ساتھ دیوان تشکیل دیا گیا اور بیت المال کو مختلف ڈیپارٹمنٹس (شعبوں) میں تقسیم کیا گیا اور ہر ڈیپارٹمنٹ کے لیے بجٹ خاص کر دیا گیا جس کو مختلف گروہوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ امام کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فأمّا ما يوضع في بيت المال من الأموال فأربعة أنواع أحدها: زكاة السّوائم والعشور وما أخذه العشار من تجار المسلمين إذا

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۲۷۳، رقم: ۵۲۵

مرّوا عليهم، والثّاني: خمس والغنائم والمعادن والركاز، والثالث: خراج الأراضي وجزية الرؤوس......، والرابع: ما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثًا أصلاً أو ترك زوجًا أو زوجة. فيصرف إلى دواء الفقراء والمرضى وعلاجهم وإلى أكفان الموتى الذين لا مال لهم وإلى نفقة اللقيط وعقل جنايته وإلى نفقة من هو عاجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته.(۱)

’’جو مال بیت المال میں بطور بجٹ رکھا جاتا تھا، اس کی چار اقسام ہیں:

۱۔ چراگاہ میں چرنے والے مویشیوں کی زکوٰۃ، عشر، مسلمان تاجروں سے حاصل کردہ ٹیکسز (Taxes) وغیرہ پہلی قسم میں شامل ہیں۔

۲۔ مالِ غنیمت اور زمین کے اندر سے چھپے ہوئے خزانوں میں پانچواں حصہ (جس کو فقراء، مساکین اور یتیم لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے)۔

۳۔ زمین کا خراج، جزیہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مذہبی سکالرز پر اور مفادِ عامہ (Common interests) کے لئے خرچ کی جاتی ہیں، اس میں جج صاحبان اور فوج کی تنخواہیں شامل ہیں اور سڑکوں، مساجد، چھوٹی نہروں، پلوں اور ڈیم کی تعمیر کا خرچ بھی شامل ہے۔

۴۔ وہ مال جو ایسی میت کی وراثت سے لیا جائے جس کا مرنے کے بعد کوئی حقیقی وارث نہ ہو یا اس نے ایک خاوند یا بیوی چھوڑی ہو۔

’’ایسے اموال فقیروں، مریضوں کی ادویات، ان کے علاج اور مرنے والوں کے کفن خریدنے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ مال لاوارث اور معذور

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ۲: ۶۸

افراد پر اور قاتل کی طرف سے واجب دیت کی ادائیگی پر خرچ کیا جاتا ہے اور اسی طرح جو کمانے سے عاجز ہو اور اس کے ذمہ (اپنے خاندان کا) نفقہ بھی ہو (تو اس پر بھی یہ اموال خرچ کئے جاتے ہیں)۔‘‘

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معاشرتی کفالت کے منصوبوں کی مالی سپورٹ ان سابقہ قوانین پر ہی depend نہیں کرتی بلکہ بیت المال کی بنیادی ذمہ داری معاشرتی کفالت کو یقینی بنانا ہے۔ بیت المال کے دیگر ذرائع آمدنی (Sources of Income) بھی ہیں کہ جن سے ملازمین کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور دفاع پر بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عمرانی منصوبہ جات اور وسائل نقل و حرکت پر خرچ ہوتا ہے۔ اس چیز کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ليس أحد إلا وله في هذا المال حق.[1]

’’مسلمانوں میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جس کا بیت المال میں حق نہ ہو۔‘‘

(۱۱) قانون التعویض العائلی (خاندان کی مدد کا قانون)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شادی شدہ کو غیر شادی شدہ کی نسبت زیادہ حصہ عطا فرماتے تھے، ابو عبید بن سلام (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

۱۔ كان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا أتاه فيء قسمه عن يوم، فأعطى الآهل حظين، وأعطى العزب حظاً واحدًا.[2]

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مالِ فئی آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اسی

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۸، رقم: ۶۰۳

دن تقسیم فرما دیتے تھے۔ پس شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے تھے جبکہ غیر شادی شدہ کو ایک حصہ عطا فرماتے۔‘‘

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا، ابو عبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

أن عمر قسم بين الناس، فأصاب كل رجل نصف دينار، إذا كان وحده، فإن كانت معه امرأته أعطاه دينارًا.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (کچھ مال) تقسیم کیا تو ہر شخص اگر وہ اکیلا ہوتا تو اس کے حصے میں آدھا دینار آتا اور اگر اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہوتی تو اس کو مکمل دینار دیتے۔‘‘

۳۔ یہ بیوی کو سپورٹ کرنے کا بنیادی قانون ہے۔ زمانۂ نبوت میں ایک شخص نے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ نہ تھا، پس وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہر لے کر اپنی بیوی کو ادا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مدد فرمائی:

جاء رجل إلى النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: إني تزوجت امرأة من الأنصار...... قال: على كم تزوجتها؟ قال: على أربع أواق. فقال له النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: على أربع أواق! كأنما تنحتون الفضة من عرض هذا الجبل. ما عندنا ما نعطيك ولكن عسى أن نبعثك في بعث تصيب منه.(۲)

’’پس ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ!

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۸، رقم: ۶۰۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب ندب النظر إلى وجه امرأة وكفيها لمن يريد تزوجها، ۲: ۱۰۴۰، رقم: ۱۴۲۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۲۸۱

میں نے انصار قبیلہ کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ ...... حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کتنے مہر کی ادائیگی پر شادی کی ہے؟ اس نے عرض کیا: چار ماشے (اونس) پر۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چار ماشے پر! گویا کہ تم پہاڑ سے چاندی تراشتے ہو پس اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ ہم تجھ کو دیں لیکن عنقریب ہم تجھ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیج دیں گے تاکہ اس میں سے تمہیں کچھ مل سکے۔ (راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جس سے اس کو کچھ مال مل گیا)۔''

۴۔ ابوعبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی شادی کی تو ایک ماہ تک بیت المال سے خرچ دیا۔ عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

لما زوجني عمر أنفق عليّ من مال اللہ شهرًا.(۱)

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری شادی کی تو ایک ماہ تک مجھے بیت المال سے خرچ دیا۔''

۵۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کے لئے کچھ حصہ مقرر فرماتے تھے اور یہ بچے کے والد کے مقرر کردہ حصے کے علاوہ ہوتا تھا اور جوں جوں بچہ بڑا ہوتا چلا جاتا یہ حصہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كان عمر لا يفرض للمولود حتى يفطم قال: ثم أمر منادياً فنادى: لا تعجلوا أولادكم عن الفطام، فإنا نفرض لكل مولود في الإسلام، قال: وكتب بذلک في الآفاق بالفرض لكل مولود في الإسلام.(۲)

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۲۹۵، رقم: ۵۶۶

(۲) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۲، رقم: ۵۸۳

۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۵

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نومولود بچے کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے تھے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا، راوی کہتے ہیں: لیکن بعد میں انہوں نے منادی کرا دی کہ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کا وظیفہ جاری کریں گے۔ یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچے کا اس کی پیدائش سے ہی وظیفہ مقرر کر دو۔“

بعد ازاں اس قانون پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء عمل پیرا رہے۔ ایسا کرنا اولاد کی سپورٹ کرنا ہے۔ اسی طرح اسلامی فقہ میں یہ ایک قانون ہے کہ میدانِ جنگ میں پیدل چلنے والے مجاہد کے لئے مالِ غنیمت میں سے ایک حصہ ہے جبکہ گھوڑے پر سوار آدمی کے لئے دو حصے اور بعض مذاہب میں اس کے لئے تین حصے مقرر کیے گئے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہے کہ گھوڑے پر سوار آدمی گھوڑے کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دفاتر بنائے اور ایک نظام قائم کیا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ ہر شخص کو اس کی ضرورت، مسائل اور اس کی دین اسلام کی خدمت کے مطابق اسے عطا فرماتے تھے اور اسی چیز کے پیشِ نظر خاندانی حصہ داری کا قانون ہر شخص کی ضرورت کے مطابق اور اس کے اخراجات کے پیشِ نظر بنایا جاتا۔

(۱۲) قانونِ رکاز

جو کچھ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے ہیں اسلام نے ان میں سے کچھ ایسے حصے مقرر کیے ہیں جو معاشرتی کفالت کے لئے خرچ کیے جاتے ہیں۔ علماء کرام نے کنز اور رکاز میں فرق کر کے اجتہاد کی بنا پر اپنی مختلف آراء کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ اس زمین کے اندر سے اور سمندروں سے نکالا جاتا ہے ان کے بارے میں احکامات بیان کیے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۱۴) قانون الطّواری (Law of Emergency)

جب دشمن اس پوزیشن میں ہو کہ جس سے ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے اور ملکی خزانے میں موجود مال فوج اور مجاہدین کو جہاد کے لئے تیار کرنے اور اسلحہ کی خریداری کے لئے ناکافی ہو تو ایسی صورت میں ملک کے سربراہ پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے اتنا مال لے لے کہ جس سے دشمن کے خطرے کو ٹالا جا سکے اور قوم کی جان و مال کی حفاظت کی جا سکے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس ہر قدرت رکھنے والے شخص پر فرض ہو جاتا ہے اور انسان کا حق یہ ہے کہ اس کے مال کو اس کے ہاتھ میں محفوظ رکھا جائے جبکہ معاشرے کا حق یہ ہے کہ اس کی آزادی اور استقلال کی حفاظت کی جائے۔ اور ملکی باشندوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کے لئے اپنے مال میں سے اتنا حصہ دیں کہ جس سے اس کے سارے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ دشمن اس پر غلبہ حاصل کر کے اس کے مال کو نہ لوٹ لے جائے اور شرعی قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ چھوٹے نقصان کو برداشت کرتے ہوئے بڑے نقصان کا ازالہ کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ حکم متفق علیہ ہے۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا خلت الأيدي من الأموال ولم يكن من مال المصالح ما يفي بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لخيف دخول الكفار بلاد الإسلام أو خيف ثوران الفتنة من أهل العرامنة في بلاد الإسلام فيجوز للإمام أن يوظف على الأغنياء مقدار كفاية الجند ثم إن رأى في طريق التوزيع التخصيص بالأراضي فلا حرج لأنا نعلم أنه إذا تعارض شرّان أو ضرران قصد الشرع دفع أشد الضررين وأعظم الشرين وما يؤديه كل واحد منهم

قليل بالإضافة إلى ما يخاطر به من نفسه وماله لو خلت خطة الإسلام عن ذي شوكة يحفظ نظام الأمور ويقطع مادة الشرور.(۱)

’’جب (فوج) کے ہاتھ اموال سے خالی ہو جائیں اور ملکی خزانے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے فوج کے اخراجات برداشت کیے جا سکیں اور لشکر بھی منتشر ہو کر کسبِ رزق میں مشغول ہو جائے اور اس بات کا بھی ڈر ہو کہ اسلامی مملکت میں دشمن داخل ہو کر حملہ کر دے گا یا اہلِ شر کی طرف سے کسی فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں حاکمِ وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کر دے کہ وہ فوج کے اخراجات کی مقدار کے برابر اپنے مال قومی خزانے میں دے دیں پھر اگر وہ زمین کے لحاظ سے مخصوص تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب دو نقصان اکٹھے ہو جائیں تو شریعت ان دونوں نقصانات میں سے جو زیادہ بڑا نقصان ہوتا ہے اس کو دور کرتی ہے پس ایسے حالات میں اغنیاء سے مال لینا ان کے لئے خسارہ (نقصان) ہے لیکن وہ نقصان جو دشمن کی وجہ سے ملک کو پہنچے گا وہ اس نقصان سے بڑا ہے لہٰذا اس بڑے خسارے سے بچنے کے لئے اغنیاء سے مال لے کر افواج کے اخراجات کو پورا کیا جائے گا۔‘‘

امام شاطبی (م۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

إنا إذا قررنا إمامًا مطاعًا مفتقرًا إلى تكثير الجنود لسد الثغور وحماية الملك المتسع الأقطار، وخلا بيت المال، وارتفعت حاجات الجند إلى ما لا يكفيهم، فللإمام إذا كان عدلًا أن يوظف

(۱) غزالي، المستصفى، ۱: ۳۰۳، ۳۰۴

على الأغنياء ما يراه كافيًا لهم في الحال، إلى أن يظهر مال بيت المال.

وإنما لم ينقل مثل هذا عن الأوّلين لاتسّاع مال بيت المال في زمانهم بخلاف زماننا، فإن القضية فيه أحرى، ووجه المصلحة هنا ظاهر، فإنه لو لم يفعل الإمام ذلك النظام بطلب شوكة الإمام، وصارت ديارنا عرضة لاستيلاء الكفار وإنما نظام ذلك كله شوكة الإمام بعدله.[۱]

''جب ہم کسی ایسے حاکم کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس کی اطاعت کی جائے اور وہ حاکم فتنوں کو ختم کرنے اور وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ افواج کا محتاج ہو جبکہ بیت المال بھی خالی ہو جائے اور افواج کے اخراجات بڑھ جائیں تو ایسی حالت میں عادل حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کرے کہ وہ افواج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اپنے اموال دیتے رہیں جب تک کہ بیت المال میں کہیں سے مال نہ آ جائے۔

''یہ بات اسلام کے اوائل زمانے میں نہیں کہی گئی کیونکہ ان کے زمانے میں بیت المال بڑا وسیع ہوتا تھا جبکہ ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ اب یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس میں مصلحت بھی واضح ہے۔ پس آج کے زمانہ میں اگر حاکم ایسا نہیں کرتا تو اس میں حاکم کی عظمت و شوکت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ملک پر بھی کفار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ سارے کا سارا نظام حاکمِ وقت کی عظمت وشوکت پر انحصار کرتا ہے۔''

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

(۱) شاطبي، الاعتصام، ۲: ۱۲۱

واتفق العلماء على أنه إذا نزلت بالمسلمين حاجة بعد أداء الزكاة فإنه يجب صرف المال إليها.[1]

’’اور اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جب مسلمان کسی چیز کے محتاج ہوں تو پھر مال کو اس حاجت و ضرورت کے لئے صرف کرنا واجب ہے۔‘‘

تاریخِ اسلام میں اس قانون کو نافذ کرنے کی کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً تاتاریوں نے جب ملک شام پر حملے کیے تو حکمرانِ وقت اس وقت فوج اور مجاہدین کو جنگ کے لئے تیار کرنے کے لئے اموال کا محتاج تھا اور اس محتاجی کو پورا کرنے کے لئے بیت المال میں کچھ نہ تھا۔ اس نے علمائے شام سے، پبلک سے فوج کے اخراجات پورا کرنے کے لئے اموال لینے کا، فتویٰ طلب کیا تو سب علماء کرام نے اس چیز کا فتویٰ دے دیا۔ اس وقت امام نووی (۶۳۱۔ ۶۷۶ ھ) موجود نہ تھے پس علماء کرام کی طرف سے جاری کیا گیا فتویٰ ان کی طرف بھیجا گیا تاکہ اس فتویٰ پر دستخط کر دیں۔ انہوں نے اس فتویٰ کے ساتھ موافقت اس شرط پر کی کہ بادشاہ وہ اموال اور زیورات جو اس کے حواریوں اور معاونین کے پاس ہیں وہ بھی بیت المال میں جمع کرا دے۔

اسی طرح جب مصر کے بادشاہ نے صلاح الدین ایوبی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تاتاریوں کے خلاف جنگ لڑنے کا ارادہ کیا تو فقہاء اور قاضی اس سلسلے میں مشاورت کے لئے اکٹھے ہوئے تاکہ لوگوں سے اتنا مال لیا جائے جس سے جہاد میں تقویت مل سکے۔ پس تمام علماء اکٹھے ہوئے، جن میں شیخ عز الدین بن عبد السلام اور دیارِ مصر کے قاضیوں میں سے قاضی بدر السنجاوی بھی شامل تھے اور اس جہاد کے سلسلے میں غور و فکر کیا۔ اِن علماء کرام میں سب سے ثقہ قول جس عالمِ دین کا تھا وہ عز الدین بن عبد السلام تھے اور انہوں نے جو کچھ اس وقت کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۲۴۲

’’جب دشمن اسلامی ممالک پر حملہ آور ہو تو اس وقت تمام لوگوں پر جہاد واجب ہو جاتا ہے اور تمہارے لیے جائز ہے کہ تم عوام سے اتنا مال لے لو کہ جس سے جہاد میں مدد ملے۔ لیکن یہ تب ہے کہ جب بیت المال میں کچھ نہ رہے اور بیچ دو وہ کچھ جو تمہارے پاس سونے کی تھیلیاں اور اعلیٰ قسم کے آلات ہیں، حتیٰ کہ ہر مجاہد کے پاس صرف جہاد میں استعمال ہونے والی سواری اور اسلحہ ہو۔‘‘

اس طرح جب مسلمانوں کے امیر یوسف بن تاشقین کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے افواج کی تیاری کے سلسلے میں مال کی ضرورت پڑی اور اس وقت بیت المال میں اتنا مال نہ تھا کہ جس سے افواج کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ انہوں نے فقہاء اور قاضی حضرات کو اکٹھا کیا۔ ان میں سے قاضی ابو الولید الباجی بھی تھے، انہوں نے جب ان سے اس سلسلے میں پوچھا تو سب نے اجماع کے ساتھ اس بات پر فتویٰ دیا کہ وہ بادشاہ مسلمانوں کے اموال میں سے اتنا مال لے لے کہ جس سے افواج کے اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ انہوں نے اس فتوی کو مختلف شہروں کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں سے اموال طلب کیے جائیں کہ جس سے جہاد کی ضرورت پورے ہو سکے۔ وہ فتویٰ جب اہلِ مریہ کی طرف پہنچا تو اس وقت وہاں کا قاضی عبد اللہ بن الفراء تھے جو بہت زیادہ متقی و پرہیزگار تھے، انہوں نے مسلمانوں کے امیر ابن تاشقین کو خط لکھا اور جو کچھ انہوں نے لکھا وہ کچھ یوں ہے:

أن أبا الوليد الباجي وجميع القضاة والفقهاء بالعدوة والأندلس أفتوا بأن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اقتضاها، وكان صاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضجيعه في قبره ولا يشك في عدله، فليس أمير المسلمين بصاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا بضجيعه في قبره، ولا من لا يشك في عدله، فإن كان الفقهاء والقضاة أنزلوك بمنزلته في العدل فالله سائلهم عن تقلدهم فيك، وما اقتضاها عمر حتى

دخل مسجد رسول الله ﷺ وحلف أن ليس عنده درهم واحد من بيت مال المسلمين ينفقه عليهم، فلتدخل المسجد الجامع هنالک بحضرة أهل العلم، وتحلف أن ليس عندک درهم واحد، ولا في بيت مال المسلمين، وحينئذ تستوجب ذلک.(۱)

''ابو الولید الباجی اور عدوۃ اور اندلس کے تمام قاضی اور فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کا فیصلہ فرمایا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور قبر میں آپ ﷺ کے ساتھ لیٹنے والے تھے، ان کے عادل ہونے میں کوئی شک نہیں، (موجودہ) امیر المؤمنین نہ تو رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ قبر میں لیٹنے والا ہے اور نہ ہی ایسی شخصیت ہے کہ جس کے عادل ہونے میں شک نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور پس اگر فقہاء اور قاضی عدل و انصاف کے اعتبار سے آپ کو ان کے مقام و مرتبہ پر سمجھیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان سے تمہاری تقلید کرنے کے بارے میں سوال کرے گا۔ اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا تو اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو گئے تھے اور قسم اٹھائی تھی کہ ان کے پاس بیت المال میں مسلمانوں کے لئے ایک درہم تک بھی نہیں کہ وہ ان پر خرچ کریں پس آپ بھی جامع مسجد میں داخل ہو جائیں اور اہلِ علم کے پاس اس بات کا حلف دیں کہ نہ تو آپ کے پاس کوئی درہم ہے اور نہ ہی بیت المال میں۔ پس اگر ایسا ہے تو پھر ایسا کرنا (یعنی عوام سے مال لینا) واجب ہے۔''

اس طرح یہ حکم عام بحرانوں میں بھی قابلِ تنفیذ ہوگا جیسے سیلاب' زلزلے اور قحط سالی وغیرہ۔ پس ملک پر واجب ہے کہ وہ مصیبت زدہ لوگوں کی نہ صرف خیمے اور کھانے پینے کی چیزیں فراہم کر کے مدد کریں بلکہ انہیں بقیہ لوگوں کی طرح باعزت زندگی فراہم

(۱) ابن خلكان، وفيات الأعيان، ۷: ۱۱۹

کریں اور جب ملکی خزانہ مصیبت زدہ لوگوں کے بارے میں اس طرح کی معاشرتی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو تو ملک مالدار لوگوں سے ان کی جائیدادوں کے مطابق ٹیکس لاگو کرسکتا ہے تاکہ ان مصائب کا مقابلہ کرسکیں اور یہ تعاون، نیکی اور تقویٰ کی بنا پر ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور یہ اخوت و بھائی چارہ کی بنا پر ہے اور معاشرے کے لئے ایک ایسا شعار ہے جس کی شرعی قوانین اور شرعی نصوص تائید کرتی ہیں اور ان میں بعض یہ ہیں:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اشعریوں (یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جو ابو موسیٰ اشعری کی طرف منسوب ہے) کی تعریف کی کیونکہ وہ مصیبت میں اپنا مال باہم تقسیم کر لیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم.(۱)

’’جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہوگیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل و عیال کے لئے کھانا کم پڑ گیا تو انہوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر اسے ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا، (اسی لیے) وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قحط سالی کی صورت میں ایسے ہی طرزِ عمل کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں جب قحط پڑتا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين ﷺ، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

نا د في الناس فيأتون بفضل أزوادهم فبسط لذلک نطع و جعلوه على النطع فقام رسول الله ﷺ فدعا وبرک عليه ثم دعاهم بأوعيتهم فاحتثى الناس حتى فرغوا.(۱)

’’تمام لوگوں میں اعلان کر دو کہ ان کے پاس جو کچھ (کھانے کا) سامان بچ گیا ہے وہ لے کر یہاں آ جائیں اس کے لئے ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا اور لوگوں نے سامان لا کر اس دسترخوان پر رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اس میں برکت کی دعا فرمائی، اب آپ ﷺ نے پھر لوگوں کو اپنے اپنے برتنوں کے ساتھ بلایا اور سب نے دونوں ہاتھوں سے توشے اپنے برتنوں میں بھر لیے حتیٰ کہ سب اپنا اپنا حصہ لے کر فارغ ہو گئے۔‘‘

۳۔ ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد میں تھے کہ ان کا ساز و سامان ختم ہوگیا پس انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو جمع کریں اور انہوں نے وہ مال ان میں برابر تقسیم کر دیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بعث رسول الله ﷺ بعثًا قبل الساحل فأمّر عليهم أبا عبيدة بن الجراح، وهم ثلاث مائة، وأنا فيهم، فخرجنا حتى إذا كنا ببعض الطريق فني زاد. فأمر أبو عبيدة بأزواد ذلک الجيش فجمع ذلک كله.(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب حمل الزاد في الغزو، ۳: ۱۰۸۸، رقم: ۲۸۲۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام ←

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ساحلِ بحر کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ فوجیوں کی تعداد تین سو تھی، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں بھی ان میں شریک تھا۔ ہم نکلے ابھی راستے میں ہی تھے کہ زادِ سفر ختم ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام فوجی اپنا جو سامان بچ گیا ہے اسے ایک جگہ جمع کر دیں تو سارے لشکر کا (زادِ راہ ایک جگہ) جمع کر دیا گیا (جو تھوڑا تھوڑا کر کے سارا لشکر استعمال کرتا رہا)۔‘‘

۴۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط سالی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے شہروں کے گورنروں کو حکم بھیجا کہ وہ ان کی کھانے پینے کی اشیاء اور اموال کے ساتھ سپورٹ کریں پس ان کے لئے ہر والیٔ شہر نے اپنی استطاعت کے مطابق مال بھیجا اور آپ رضی اللہ عنہ نے وہ مال لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جس سے قحط دور ہو گیا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

فواللہ لو أن اللہ لم یفرجها ما ترکت أهل بیت من المسلمین لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء، فلم یکن اثنان یهلکان من الطعام علی ما یقیم واحدًا. (۱)

’’خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور نہ فرماتا تو میں مسلمانوں کے گھروں میں سے کسی گھر کو نہ چھوڑتا جن کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے مگر یہ کہ ان

------ والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۱

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۲۴۴، رقم: ۸۷۹۲

۳۔ مالك، الموطأ، کتاب صفة النبي ﷺ، باب جامع ما جاء في الطعام والشراب، ۲: ۹۳۰، رقم: ۱۶۶۲

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ رازي، الجرح والتعدیل، ۱: ۱۹۲

کے ساتھ ان کے شمار کے مطابق فقراء میں سے بھی داخل کر دیتا۔ اس طرح سے اس کھانے سے دو آدمی ہلاک نہ ہوتے جو کھانا ایک آدمی کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

(۱۴) قانونِ قرضِ حسنہ

یہ وہ قرض ہوتا ہے جو ایک صاحبِ مال کسی ضرورت مند، غریب یا محتاج فرد کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اس میں وہ اپنے لئے کوئی فائدہ، لالچ، مالی منفعت، بدل یا سود کے حصول کی ہرگز ہرگز نیت نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اجر کی امید رکھتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں قرضِ حسنہ دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ط وَاللهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (۱)

’’کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○‘‘

۲۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ○ (۲)

’’کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دے تو وہ اس کے لئے اُس (قرض) کو کئی گنا بڑھاتا رہے اور اس کے لئے بڑی عظمت والا اجر ہے ○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۱

اسلامی قانونِ قرضِ حسنہ میں مقروض کا قرض معاف کرنے یا اس کی وصولی میں مہلت، سہولت یا آسانی فراہم کرنے والے کے لئے زیادہ اجر و ثواب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۳۔ وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۱)

”اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہیے، اور تمہارا (قرض کو) معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو (کہ غریب کی دلجوئی اللہ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)o“

جس طرح قرضِ حسنہ دینے کی حوصلہ افزائی اور انعام و اکرام دینے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اسی طرح قرض ادا نہ کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ یغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين.(۲)

”قرض کے سوا شہید کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

۲۔ مطل الغني ظلم.(۳)

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۰، رقم: ۷۰۵۱

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۷۳، رقم: ۵۵۵۲

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۸، رقم: ۵۵۳۴

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض واداء الديون، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغني وصحة حوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملى، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ←

’’مال دار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے مالی حقوق کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔‘‘

۳۔ إن الدين يقضى من صاحبه يوم القيامة.(۱)

’’قیامت کے دن مقروض سے قرض ادا کرایا جائے گا۔‘‘

۴۔ على اليد ما أخذت حتى تؤدي.(۲)

’’جو چیز کسی نے کسی سے لی ہے جب تک اس کو ادا نہ کر دے اس کا بارِ ادا اس پر برابر قائم ہے۔‘‘

۵۔ اس قانون کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

...... ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغني أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في مطل، ۳: ۲۴۷، رقم: ۳۳۴۵

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الصدقات، باب ثلاث من ادان فيهن قضى الله عنه، ۲: ۸۱۴، رقم: ۲۴۳۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۴۰۴، رقم: ۵۵۵۹

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۷۵، رقم: ۲۷۸۳

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء أن العارية مؤداة، ۳: ۵۶۶، رقم: ۱۲۶۶

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في تضمين العارية، ۳: ۲۹۶، رقم: ۳۵۶۱

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۵۵، رقم: ۲۳۰۲

و الله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه.[1]

”جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔“

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جہاں قرضِ حسنہ دینا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے وہاں اس قرض کی واپسی بھی از حد ضروری اور لازمی ہے۔

(۱۵) قانونِ مضاربت

مضاربت لفظ ”ضرب“ سے ماخوذ ہے جس کے معانی سفر کرنا، چلنا پھرنا، زمین پر پاؤں مارنا وغیرہ ہیں۔ یہ وہ کاروبار ہے جس میں کاروبار کرنے والا تجارت کی غرض سے سفر کرتا ہے یا چل پھر کر سرمایہ کاری کر کے نفع کماتا ہے۔

مضاربت کاروبار میں شرکت کی ایک قسم ہے۔ جس میں دو فریق ہوتے ہیں ایک مال لگاتا ہے اور دوسرا کام سنبھالتا ہے۔ مال فراہم کرنے والے کو ”رب المال“ محنت و خدمت یا کام کرنے والے کو ”مضارب“ اور مال کو ”راس المال“ کہا جاتا ہے۔ مضارب اور رب المال ایک طے شدہ معاہدہ کے تحت نفع آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

فقہاء نے مضاربت کو قراض یا مقارضہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ دونوں اصطلاحات اپنے اندر ایک ہی معنی و مفہوم رکھتی ہیں۔ مضاربت کو دو اقسام پر منقسم کیا گیا ہے:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في الستر على المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۵

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶

۴۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۳۰۸، رقم: ۷۲۸۴

۱۔ مضاربتِ مطلقہ

۲۔ مضاربتِ مقیدہ

جس مضاربت میں مقام، مدت، تعیین بائع یا مشتری اور کوئی خاص قسم کا کاروبار نہ ہو مضاربتِ مطلقہ کہلاتی ہے۔ جبکہ ایسی مضاربت جس میں کوئی خاص شرط یا قید لگا دی جائے مضاربتِ مقیدہ ہو جاتی ہے۔

مضاربت کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ آخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

اس آیت کریمہ میں ''یضربون'' کا لفظ ''ضرب'' سے نکلا ہے اور مضاربت بھی اسی سے ماخوذ ہے اس لحاظ سے آیت کا معنی یہ ہوگا:

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے مضاربت کریں گے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے نبوت سے قبل بصرہ ملک شام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت مضاربت کے ہی اصول پر فروخت فرمایا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام بھی مضاربت کے اصول پر تجارت کیا کرتے تھے۔

مضاربت امدادِ باہمی کے مقاصد کے حصول کے لئے ایک بہت اہم طریقۂ تجارت ہے۔ اس سے مالداروں اور سرمایہ سے محروم دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ مالدار اپنے مال سے مالی اور تجارتی منفعت حاصل کرتا ہے جبکہ غریب، مفلس اور دولت سے محروم شخص

(۱) المزمل، ۷۳: ۲۰

اپنی محنت کو بروئے کار لا کر اپنے معاشی مسائل حل کرتا ہے۔ اسلام نے معاشی میدان میں مضاربت کی شرائط رکھ کر اسے ایک قانون کی شکل دی ہے۔ اس قانون کے اہم پہلو یہ ہیں:

۱۔ فریقین عاقل و بالغ ہوں۔

۲۔ راس المال بیشتر مواقع پر ریاستی سکہ یا سکہ رائج الوقت میں ہو اور اس کی تعداد کی نشاندہی کی گئی ہو۔

۳۔ نفع یا نقصان کی صورت میں طے شدہ معاہدہ یا شرائط واضح ہوں۔

۴۔ مضارب کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے۔

۵۔ تقسیمِ نفع کا تناسب آغاز ہی سے طے کر لیا جائے۔

۶۔ تمام تر تجارت میں اسلامی اصولوں اور اقدار کی پاسداری لازمی ہے۔

ان کے علاوہ مزید تفصیلات کے لئے فقہ اسلامی کی کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

عصرِ جدید میں اگر کاروباری دنیا میں بیشتر بزنس مضاربت کے اصولوں پر استوار کر لیا جائے تو یقیناً ملک سے معاشی بدحالی، بے روزگاری، افلاس اور بے شمار معاشی برائیوں (Economic Evils)، جن میں سود (Interest) سرفہرست ہے، سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس ضمن میں موجودہ بینکنگ سسٹم کو مضاربت سے بدل کر ابتداء کی جائے تو یہ معاشی ترقی (Economic Development) کے حصول کی طرف ایک اہم قدم ہو گا۔

(۱۶) قانونِ ضرائب

قدرتی آفات، جنگ، قحط اور بے روزگاری جیسے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے حکومت جو ٹیکس لگاتی ہے انہیں ضرائب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس اس وقت لگائے جاتے ہیں جب اسلامی ریاست کے بیت المال میں جمع شدہ رقوم عوام کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو جائیں۔

ضرائب کا مقصد عامۃ الناس کی غربت اور بدحالی دور کرنا ہے۔ یہ ٹیکس خراج، جزیہ، فئی، عشور، خمس، زکوٰۃ، وقف وغیرہ کے علاوہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب مخصوص حالات میں لگائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی حکومت کے سربراہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ملکی معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ملک کے اہلِ ثروت لوگوں پر یہ ٹیکس لگائے۔ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''المحلی'' میں لکھتے ہیں:

یجبرھم السلطان علی ذلک.(۱)

''بادشاہ ان کو اس ٹیکس پر مجبور کرے گا۔''

اپنی اس بات کے جواز میں وہ درج ذیل آیات بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

۱۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo(۲)

''پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیںo''

۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاo(۳)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo''

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

(۲) الروم، ۳۰: ۳۸

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الله تعالی فرض علی الأغنياء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم فإن جاعوا أو عروا وجهدوا فبمنع الأغنياء.[(۱)]

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر ان کے فقراء کی کفایت کر سکے پس فقراء اگر بھوکے، ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں مانع ہیں۔‘‘

۲۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

في مالک حق سوی الزکوة.[(۲)]

’’تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی (جماعتی) حقوق ہیں۔‘‘

پس اگر اسلامی نظامِ معیشت میں اقتصادی قوانین کے زمرے میں ضرائب یعنی ٹیکسوں کا وجود ہے تو ان کی وجہ، غرض و غایت اور اہمیت بھی عیاں کر دی گئی ہے۔

(۱۷) قانونِ نذور و کفارات

نذر یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔ اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۹۳۱
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۲۳
۳۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۴۱۲، رقم: ۱۰۵۲۶
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

وَلْیُوفُوْا نُذُوْرَهُمْ.(۱)

”اور اپنی نذریں پوری کریں۔“

جب کوئی انسان نذر مانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ مال دے گا تو اب اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس نذر کو پورا کرے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مال کو محتاج لوگوں پر معاشرتی کفالت کی بنا پر خرچ کرے۔ احکامِ نذر فقہ کی کتب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کو مختلف امور میں رعایتیں دیتا ہے، مثلاً اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی رعایت وغیرہ اس قسم کی رعایتوں کو ”کفارات“ کہتے ہیں۔ کفارہ کی ادائیگی بھی ضروری ہوتی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰـکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج فَکَفَّارَتُـهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ.(۲)

”اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کر لو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے۔“

(۱) الحج، ۲۲: ۲۹

(۲) المائدة، ۵: ۸۹

۳۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ.(۱)

”اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو مت مارا کرو، اور تم میں سے جس نے (بحالتِ احرام) قصداً اسے مار ڈالا تو (اس کا) بدلہ مویشیوں میں سے اسی کے برابر (کوئی جانور) ہے جسے اس نے قتل کیا ہے جس کی نسبت تم میں سے دو عادل شخص فیصلہ کریں (کہ واقعی یہ جانور اس شکار کے برابر ہے بشرطیکہ) وہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا (اس کا) کفّارہ چند محتاجوں کا کھانا ہے۔“

۴۔ روزے کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ.(۲)

”اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے۔“

۵۔ حج کے احرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ.(۳)

”اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے

(۱) المائدۃ، ۵: ۹۵

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۴

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۹۶

مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوا لے) تو (اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے)۔‘‘

۶۔ اسی طرح کفارۂ ظہار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّيۡنَ مِسۡكِيۡنًا. (۱)

’’پھر جو شخص اِس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)۔‘‘

صحیح حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص دن کے وقت جان بوجھ کر رمضان کا روزہ افطار کر لے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ ’’صحیح مسلم‘‘ میں ہے:

أن النبي ﷺ أمر رجلًا أفطر في رمضان أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين أو يطعم ستين مسكينًا. (۲)

’’نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو حکم فرمایا جس نے رمضان میں اپنا روزہ (عمداً) توڑ دیا کہ وہ کوئی غلام آزاد کرے یا دو مہینوں کے (مسلسل) روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔‘‘

---

(۱) المجادلة، ۵۸: ۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصوم، باب تغليظ تحريم الجماع في النهار رمضان على الصائم ووجوب الكفارة الكبرى فيه وبيانها، ۲: ۷۸۲، رقم: ۱۱۱۱

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

یہی حکم حنفی فقہاء کے ہاں بھی ہے کہ جب کوئی بغیر عذر کے کھانا کھا کر روزہ افطار کر دے تو مذکورہ بالا کفارہ ادا کرے۔

اس طرح اسلام نے بہت سے اور گناہوں کے کفارے ادا کرنے کے لئے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانے اور انہیں کپڑے دینے کے بارے میں حکم فرمایا ہے یقیناً یہ ایک معاشرتی کفالت کے منصوبوں کی تکمیل کی مالی سپورٹ (Financial Support) کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۱۸) قانون الاضاحی و الفطر

مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں: ’’عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔‘‘ ایک عید پر قربانی دینا ضروری ہوتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْo[(۱)]

’’پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں (یہ ہدیۂ تشکرّ ہے)o‘‘

یہ آیت قربانی کی نماز اور عید کے روز قربانی کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۱۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

يا أيها الناس! إن على كل أهل بيت في كل عام أضحية.[(۲)]

(۱) الکوثر، ۱۰۸: ۲

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأضاحي، باب ۱۹، ۴: ۹۹، رقم: ۱۵۱۸

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الضحايا، باب ما جاء في إيجاب الأضاحي، ۳: ۹۳، رقم: ۲۷۸۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ۲: ۱۰۴۵، رقم: ۳۱۲۵

”اے لوگو! ہر خاندان پر ہر سال قربانی لازم ہے۔“

عید الفطر پر مسلمان اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرتے ہوئے صدقۂ فطر دیتے ہیں اور اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعًا من تمر أو صاعًا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين وأمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة. (۱)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے (رمضان شریف میں) فطرانہ ادا کرنا فرض کیا ہے، کھجور میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع اور یہ غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے سب مسلمانوں پر فرض ہے اور فطرانہ کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ لوگ نمازِ عید کی طرف آنے سے قبل اسے ادا کر دیں۔“

اس بات پر اجماع ہے کہ فطرانہ واجب ہے اور یہ ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کے ذمہ اپنی بیوی یا غلام کے اخراجات ہیں اور جمہور علماء اس بات کے جواز کے قائل ہیں کہ فطرانہ کھجور ہو یا جَو ہوں دونوں سے ایک صاع کی قیمت کے برابر نکلتا ہے اور یہی مقدار اُن ممالک میں رائج ہے جن میں یہ چیزیں یعنی جَو اور کھجور وغیرہ نہیں اُگتے۔ یہ فطرانہ غریبوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس طرح دونوں عیدوں پر قربانی اور فطرانہ ادا کرنے کو ”قانون الاضاحی والفطر“ کہتے ہیں۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، ۲: ۵۴۷، رقم: ۱۴۳۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة الفطر على المسلمين، ۲: ۶۷۷، رقم: ۹۸۴

۲۔ اختیاری درجہ کے قوانین (Voluntary Category)

اس میں درج ذیل قوانین شامل ہیں:

۱۹۔ قانونِ نفقات وصدقات
۲۰۔ قانونِ ضیافت
۲۱۔ قانون تقسیمِ عفو
۲۲۔ قانونِ کفایت
۲۳۔ قانون الماعون
۲۴۔ قانونِ تعاون

(۱۹) قانونِ نفقات وصدقات

نفقات وصدقات جن افراد پر خرچ ہوں گے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ والدین اور ان کے آباؤ اجداد

۲۔ بیٹے اور ان کی اولادیں

۳۔ بھائی اور ان کی اولادیں

۴۔ چچا، پھوپھی اوران کی اولادیں

۵۔ ماموں، خالائیں اور ان کی اولادیں

مذکورہ بالا افراد کے بارے میں بعض اجتہادی مذاہب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۶۔ منکوحہ اور مطلقہ بیویاں حالتِ عدت میں

۷۔ غلام اپنے مالک کے اعتبار سے

۸۔ حیوان اپنے مالک کے اعتبار سے

اور نفقہ درج ذیل اشیاء پر مشتمل ہے:

۱۔ خوراک

www.MinhajBooks.com

۲۔ لباس

۳۔ رہائش

۴۔ محتاج اور مریض کی خدمت پر خرچ کرنا

۵۔ محتاج لوگوں کو علم سکھانے پر خرچ کرنا

۶۔ محتاج انسان کی شادی کروانے پر خرچ کرنا

۷۔ معروف معاشرتی ضروریات

(۲۰) قانونِ ضیافت

اسلام میں بعض علماء کے نزدیک بہت زیادہ اکرام کے ساتھ ایک رات کے لئے یا پھر عام حالت میں تین دنوں کے لئے مہمان کی مہمان نوازی واجب ہے جبکہ بعض کے ہاں یہ چیز سنت ہے اور تین دن سے زائد مہمان نوازی میزبان کے ارادے پر موقوف ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه جائزته يوم وليلة، والضيافة ثلاثة أيام، فما بعد ذلك فهو صدقة ولا يحل له أن يثوي عنده حتى يحرجه.(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، ۵: ۲۲۷۲، رقم: ۵۷۸۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب الضيافة ونحوها، ۳: ۱۳۵۲، رقم: ۱۳۲۷

۳۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الضيافة، ۳: ۳۴۲، رقم: ۳۷۴۸

۴۔ مالك، الموطأ، كتاب صفة النبي ﷺ، باب جامع ما جاء في الطعام والشراب، ۲: ۹۲۹، رقم: ۱٦٦۰

’’جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس پر مہمان نوازی کرنا واجب ہے اور ایک دن اور ایک رات کے لئے مہمان نوازی کرنا حق ہے اور تین دن تک مہمان نوازی ہے اور تین دن سے زائد دنوں پر مشتمل مہمان نوازی صدقہ ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ صاحبِ خانہ کے ہاں مستقل قیام کرے کہ انہیں تنگی میں ڈال دے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم **جائزة یوم ولیلة** (کہ مہمان نوازی ایک رات اور ایک دن کرنا حق ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے امام مالک (م ۱۷۹ھ) کہتے ہیں:

یتحفه ویکرمه ویخصه یومًا ولیلة وثلاثة أیام ضیافة. (۱)

’’ایک دن اور ایک رات مہمان نوازی کرتے ہوئے اس کو تحفے دے اور اس کی تکریم کرے اور زیادہ سے زیادہ مہمان نوازی تین دن تک ہے۔‘‘

زمانۂ قدیم میں ضیافت معاشرتی ضروریات میں سے ایک ضرورت تصور ہوتی تھی اور خاص طور پر دیہاتوں اور صحراؤں میں اس کا انتظام مسافروں کے معاشرتی حق (کھانا اور رات گزارنا) کی حفاظت کی خاطر ہوتا تھا اور صلح کے معاملات میں بھی ضیافت ضروری ہوتی تھی۔ موجودہ زمانے میں بھی ضیافت کی، ایسے دور دراز علاقوں میں جہاں مسافروں کے سونے اور کھانے کے لئے ہوٹل اور ریسٹورنٹ نہیں ہیں، ضرورت ہے۔

(۲۱) قانون تقسیمِ عفو

سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰ اور ۲۲۲ کا آغاز لفظ ’’یسئلونک‘‘ سے ہوا ہے جس کے معنی ہیں ’’(یہ لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں‘‘ آیت نمبر ۲۱۹ میں لفظ ’’العفو‘‘ آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۹: ۱۷۴

وَ يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ.[(۱)]

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

العفو کے معانی، تفسیر، تشریح و توضیح اور مفہوم کو مسلم مفسرین، محدثین علماء، فقہاء اور دیگر مذہبی سکالرز نے مختلف اندازِ فکر سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ا) شوکانی (م ۱۲۵۵ھ)

ما فضل عن نفقة العيال.[(۲)]

’’عفو وہ مال ہے جو تیرے اہل و عیال کے ضروری خرچ سے بچ جائے۔‘‘

ب) قرطبی (م ۶۷۱ھ)

والعفو ما سهل وتيسر وفضل ولم يشق على القلب إخراجه.[(۳)]

’’عفو کے معنی ہیں (وہ مال) جو سہل ہو، آسان ہو اور ضرورت سے فاضل ہو جس کا قبضہ سے نکالنا دل پر بار نہ بنے۔‘‘

ج) ابو حیان (۶۵۴۔۷۵۴ھ)

والعفو ما فضل عن الأهل والمال.[(۴)]

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) شوکاني، فتح القدير في التفسير، ۱: ۱۹۸

(۳) قرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۳: ۶۱

(۴) أبو حيان، البحر المحيط، ۲: ۱۵۸

’’عفو یہ ہے کہ جو کچھ اپنے اہل وعیال کے اخراجات سے بچ جائے۔‘‘

د) زمخشری (م ۵۲۸ھ)

العفو : نقيض الجهد، وهو أن ينفق ما لا يبلغ إنفاقه منه الجهد واستفراغ الوسع.[۱]

’’عفو تنگی کی ضد ہے اس کا مدعا اتنا خرچ کرنا ہے جو خرچ کرنے والے کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ وسعت چھوڑ جائے۔‘‘

ر) مختلف علماء کی آراء

ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) نے معروف علماء کے حوالوں سے چھ آراء بیان کی ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک العفو کے معنی الفضل (جو ضرورت سے زائد ہے) کے ہیں:

العفو : ما فضل عن أهلک.[۲]

’’عفو کا مطلب ہے (وہ مال) جو تیرے اہل و عیال (کی حاجات) سے زائد ہو۔‘‘

۲۔ حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کے مطابق:

العفو : اليسير من کل شيء.[۳]

’’عفو: ہر چیز میں سے جو بآسانی (خرچ کیا جائے)۔‘‘

---

(۱) زمخشري، الكشاف، ۱: ۲۶۲

(۲) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۴

(۳) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۴

۳۔ حضرت ابن جریج اور عطاء رحمھما اللہ کی رائے کے مطابق:

العفو: ما لم يسرفوا ولم يقتروا في الحق.(۱)

’’عفو یہ ہے کہ جائز اور حق کے معاملہ میں (خرچ کرتے وقت) نہ اسراف کیا جائے اور نہ ہی بخل سے کام لیا جائے۔‘‘

۴۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی رائے ہے:

لا تجهد مالک حتى ينفد للناس.(۲)

’’تیرا لوگوں پر مال خرچ کرنا تجھے غمگین نہ کرے۔‘‘

۵۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أفضل مالک وأطيبه.(۳)

’’تیرے اضافی اور پاکیزہ مال کو عفو کہیں گے۔‘‘

۶۔ حضرت قیس بن سعید اور حضرت مجاہد رحمھما اللہ کی رائے ہے:

الصدقة المفروضة.(۴)

’’عفو کے معنی فرض صدقہ کے ہیں (یعنی صرف اتنا خرچ کرو جو فرض کیا گیا ہے)۔‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵
(۲) طبري، الجامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵
(۳) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵
(۴) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵

(۶) ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ)

مذکورہ بالا اقوال کو بیان کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

أولی هذه الأقوال بالصواب قول من قال معنی العفو الفضل من مال الرجل عن نفسه وأهله.(۱)

’’ان سب اقوال میں زیادہ مناسب اس مفسر کا قول ہے جس نے کہا کہ عفو سے مراد وہ فاضل مال ہے جو کسی شخص کی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے بچ جائے۔‘‘

بعض علماء نے آیۃ العفو کو منسوخ قرار دیا ہے۔ مثلاً ابو حیان (۶۵۴۔۷۵۴ھ) لکھتے ہیں:

قیل في التطوع وهو قول الجمهور ...... وقیل کان واجبًا علیهم قبل فرض الزکاة أن ینفقوا ما فضل من مکاسبهم عن ما یکفیهم في عامهم ثم نسخ ذلک بآیة الزکاة.(۲)

’’کہا گیا ہے کہ ’’العفو‘‘ کا حکم رضا کارانہ ہے۔ یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم (عفو کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنا) زکوٰۃ کی (فرضیت) سے پہلے تھا اور اس کی ضرورت یہ تھی کہ جو کچھ کمایوں میں سے بچے وہ ان کے تمام لوگوں کی کفالت کے لئے خرچ کریں پھر آیتِ زکوٰۃ نے اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔‘‘

آیۃ العفو کا حکم منسوخ نہیں ہوا اسی لیے عہدِ قدیم کے مفسرین و فقہاء کی طرح

(۱) طبري، الجامع البیان في تفسیر القرآن، ۲: ۳۶۵
(۲) أبو حیان، البحر المحیط، ۲: ۱۵۸

دورِ جدید کے مفسرین نے بھی اس کے معانی اور مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام علماء نے العفو کے معانی و مفاہیم کی تشریح و توضیح میں اکثر طور پر قدماء کی پیروی کی ہے۔

مذکورہ بالا تمام بحث و بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ العفو کا حکم آیتِ زکوٰۃ کے نزول کے بعد منسوخ نہیں ہوا۔ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم کے علاوہ ہے، زکوٰۃ ایک مالی فریضہ ہے جو اجزائے ایمان میں سے ایک ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں العفو ایک مالی ترغیب ہے جو اجباری نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ اس کی نسبت صدقاتِ فاضلہ، خیرات (Charity) اور ضروریات کے بعد اضافی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہے۔ البتہ اسلام کا معاشی اخلاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے بہتر مستقبل کی پیش بندی، اہل و عیال کی ضروریات اور آنے والے وقت کی خجالت اور شرمندگی سے بچتے ہوئے اپنے غریب، نادار، ضرورت مند اور محتاج بھائیوں کو بھی فراموش نہ کریں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے ان کی اعانت اور معاشی خوشحالی فراہم کرنے کو بھی اپنے نصب العین کا حصہ سمجھیں، یہی اسلامی قانون تقسیمِ عفو ہے۔

(۲۲) قانونِ کفایت

اس قانون کے تحت کفایت سے مراد پاسداری کرنا، احساس کرنا یا اعانت ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ۝ (۱)

(۱) النساء، ۴: ۳۶

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو○‘‘

۲۔ یہ آیتِ کریمہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ آیت میں مذکور لوگوں کی ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○ (۱)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

ہیں○‘‘

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں مذکور لوگوں کا زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا عطف البر پر ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں مذکور افراد کو مال دینا الگ نیکی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا الگ نیکی ہے۔

۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی مدد کے لئے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث ومن كان عنده طعام أربعة فليذهب بخامس أو سادس.(۱)

’’جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو پس وہ تیسرے آدمی کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو پس وہ پانچویں کو ساتھ ملا لے یا چھٹے کو۔‘‘

یہ حدیث مبارکہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فقیر کو کھانا کھلانا اس شخص پر واجب ہے جو کھانا کھلا سکتا ہے اور اس کے لئے اس کو بھوکا چھوڑنا جائز نہیں۔

۲۔ امام مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷

المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل.(۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد مال ہو پس وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس مال نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی اتنی انواع ذکر کیں کہ ہمیں ایسے لگا کہ ہم میں سے کسی کا بھی زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔‘‘

۳۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين.(۲)

’’جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں تقسیم کرا دیتا۔‘‘

۴۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله فرض على أغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي يسع فقراءهم، (أي ما يحتاج إليه الفقراء) ولن يجهد الفقراء إذا جاعوا وعروا إلا بما يصنع أغنياؤهم ألا وأن الله يحاسبهم حسابًا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

(۲) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

شديدًا، ويعذّبهم عذابًا اليمًا.[1]

’’اللہ تعالیٰ نے مسلمان اغنیاء پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال میں سے اتنا مال فقراء پر خرچ کریں کہ جس سے ان کی ضرورت پوری ہوجائے۔ اگر اغنیاء اپنے اموال میں سے کچھ انہیں دیں تو انہیں زیادہ محنت نہ کرنی پڑے جب وہ بھوکے ننگے ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کا شدید محاسبہ کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دے گا۔‘‘

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر معاشرتی کفالت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ اور دوسرے مالی قوانین سے حاصل ہونے والا مال کافی نہ ہو اور بیت المال میں بھی اتنا مال نہ ہو کہ جس سے یہ ضروریات پوری کی جاسکیں تو اس صورت میں لوگوں کے اموال سے اس قدر مال لے لیا جائے گا کہ جس سے یہ ضروریات پوری کی جائیں خواہ ان کے اموال سے استفادہ کیا جا چکا ہو۔

ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقراءهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.[2]

’’ہر ملک کے اغنیاء پر لازم ہے کہ وہ فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اور بادشاہِ

(۱) ۱۔ ہيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲، رقم: ۴۳۲۴
۲۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

وقت ان امراء کو اس بات پر مجبور کرے اور یہ اس وقت ہے کہ جب نہ تو زکوٰۃ کا مال اور نہ ہی دوسرے مسلمانوں کا مال فقراء کی ضرورت کو پورا کر سکے اور ان کی ضروریات میں زندگی کی بقا کے لئے ضروری کھانا، سردیوں اور گرمیوں کا لباس اور ایسا گھر کہ جو بارش کے پانی سے محفوظ ہو اور اس میں سورج کی گرمی بھی تنگ نہ کرے اور لوگوں کا اس میں گزرنے کا راستہ بھی نہ ہو کہ جس سے صاحبِ گھر پریشان ہو۔‘‘

اس بات کا استدلال ابن حزم (م ۴۵۶ھ) نے ان مذکورہ بالا آیات اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا ہے اور جو کچھ بیان کیا ہے اس کی مذہبی، اجتہادی قواعد اور عام شرعی قواعد سے بھی تائید کی ہے۔

(۲۳) قانون الماعون

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَo وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo[۱]

’’پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo‘‘

الماعون کے بارے میں حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴۔۷

هو ما يتعاطاه الناس بينهم من الفأس و القدر والدلو.[۱]

’’ماعون سے مراد گھر کی وہ اشیاء کہ (جن سے فائدہ لیا جاتا ہے اور) لوگ انہیں استعمال کے لئے ادھار لے جاتے ہیں جیسے کلہاڑا، ہنڈیا اور ڈول وغیرہ۔‘‘

ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ کی ہے:

لا أحسنوا عبادة ربّهم ولا أحسنوا إلى خلقه حتى ولا بإعارة.[۲]

’’نہ تو وہ اپنے رب کی عبادت کر کے نیکی کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق کو کوئی چیز ادھار دے کر نیکی کرتے ہیں۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے فرمایا:

على الماعون الزكاة.[۳]

’’ادھار دی جانے والی اشیاء پر زکوٰۃ ہے۔‘‘

اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنهما اور بہت زیادہ تابعین نے روایت کیا ہے۔

ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) الماعون پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رأس الماعون زكاة المال وأدناه المنخل والدلو والإبرة. فإنه يشمل الأقوال كلها وترجع كلها إلى شيء واحد وهو ترك المعاونة بمال أو منفعة.[۴]

---

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۵

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۵

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۵

(۴) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۶

’’ادھار دی جانے والی اشیاء کی اصل مال کی زکوٰۃ دینا ہے اور ان اشیاء میں سب سے چھوٹی چیز ڈول اور سوئی ہے۔ ماعون کے بارے میں جتنے بھی اقوال ہیں ان کا مطلب کسی مال اور منفعت کی معاونت کو ترک کرنا ہے۔‘‘

لفظ ماعون کی تعبیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے کہ جس کے منافع لینے سے منع کرنا جائز نہ ہو۔ آپ ﷺ کی کئی احادیث مبارکہ سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ماعون کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحجر و الحديد وأشباه ذلك.(۱)

’’(ماعون سے مراد ہے) پتھر، لوہا اور اس طرح کی دوسری معمولی اشیاء۔‘‘

(۲۴) قانونِ تعاون

یہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) جب کوئی شخص تجارت یا بعض معاشرتی امور کے باعث مقروض ہو جائے تو اس کا قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا کیونکہ ایسا شخص قرآن مجید کے مطابق غارمین میں داخل ہے۔

(۲) جب کوئی شخص کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو مقتول کی دیت اس اکیلے قاتل پر نہیں ہے بلکہ اس کی فیملی پر ہے کیونکہ وہ اس کے اعزہ و اقارب ہیں۔

(۳) مسافر کہ جس کو ’’ابن السبیل‘‘ کہا جاتا ہے جب اس کے پاس حالتِ سفر میں ضرورت کی اشیاء ختم ہو جائیں تو اس کی مدد کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اپنے وطن پہنچ جائے اگرچہ وہ مسافر امیر تھا۔

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۶

معاشی کفالت کو مستحق کرنے کے یہ ۲۴ قوانین ایسے ہیں کہ جن سے معاشرے میں انسان فائدہ حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ قوانین معاشرے کی توجہ کا مرکز ہیں اور یہ ایسے قوانین ہیں کہ جن کی کسی شریعت میں اور تمام امم میں مثال نہیں ملتی۔

اسلامی قوانینِ معیشت کا فلسفہ

مذکورہ بالا حقائق نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ دینی مفہوم میں تصورِ ملکیت ایک ایسی امانت سے عبارت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو محدود تصرف کرنے کی اجازت دی ہے پس اگر وہ احکامِ الٰہی کے تابع ہو کر نہ رہے تو وہ ملکیت کا حق ضائع کر بیٹھتا ہے۔

عملی تجاویز

اقتصادی صورتحال میں مفید تبدیلی لانے کے لئے یہاں درج ذیل دو عملی اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں:

ا۔ حکومتی اقدامات

ب۔ شخصی اقدامات

(ا) حکومتی اقدامات

۱۔ پر تکلف کھانے پینے اور پہننے کے مظاہر کو ختم کرنے کے لئے حکومتی حلقے فعال کردار ادا کریں اور نمود و نمائش اور اسراف کو ختم کریں جو اقتصادی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔

۲۔ معاشی طبقاتی تفاوت جو حکومتی کارکنوں کے مابین پائی جاتی ہے، اس کو ختم کیا جائے اور معاشرے کے تمام افراد کی عزت و تکریم کا خیال رکھا جائے اور یہ

کام زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہونا چاہیے۔

۳۔ صنعتی و زرعی سیکٹرز اور حکومتی و پرائیویٹ دفاتر سے حاصل ہونے والے منافعوں کو تقسیم کیا جائے تا کہ ہر کام کرنے والا شخص اپنی فیملی کے حقوق کو اچھے طریقے سے ادا کر سکے اور کام کرنے والا محنتی طبقہ اقتصادی مصائب کی چکی میں نہ پِستا رہے۔

۴۔ ٹیکس کے نظام میں منصفانہ تبدیلی لائی جائے تا کہ ہر شخص ٹیکس ادا کرے اور کوئی شخص ناجائز سرمایہ اکٹھا نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ جو چیز اقتصادی تباہی کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں پر ٹیکس لاگو کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ناجائز طریقے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے حکومتی خزانہ خالی رہتا ہے اس رویہ کا سدِباب کیا جائے۔

۵۔ ٹیکس اور اقتصادی امور حکومتی کارکنوں کے ہاتھوں میں ہی محصور نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان امور کی انجام دہی میں مختلف تنظیموں کے لوگوں کو بھی شریک کیا جائے تا کہ حکومت مناسب اقتصادی نظام کو احسن طریقے سے اپنا سکے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ حکومت اور عوام کے درمیان باہمی اعتماد رہے گا اور اقتصادی مسائل کم ہوتے جائیں گے۔

۶۔ حکومتی دفاتر میں غیر ضروری اخراجات کو کم کیا جائے اور کارکنوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سہولیات دی جائیں تا کہ حرام مال کھانے اور رشوت کے مواقع کم ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب قومی سطح پر کارکنوں کے احوال کی اصلاح ہو جاتی ہے تو چھوٹے کارکنوں کے احوال کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے جب اس طرز پر کام کیا جائے گا تو پبلک کے لیے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بہت زیادہ مال بچ جائے گا اور خسارے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔

۷۔ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے ذریعے ایسے عناصر کو سخت سزا دی جائے جو سمگلنگ، جوا، سٹہ بازی اور ڈرگ مافیا وغیرہ میں ملوث ہیں اور یہ قوانین اقتصادی حالت کو مزید بہتر کریں گے۔

(ب) شخصی اقدامات

وہ افکار جن کے فوائد ہم نے مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیے ہیں، ان کی تنفیذ ممکن ہے بشرطیکہ امیر طبقہ درج ذیل اقدامات کرے:

۱۔ امیر لوگ اپنی طاقت و قدرت کے مطابق سکول، کالج اور فنی تعلیم کے ادارے مفت کھولیں تاکہ غریب اور متوسط لوگوں کے بچوں کو فری تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر آسکیں اور اس اقدام سے علمی میدان میں پائی جانے والی خرابیوں کو ختم کر کے اس کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔

۲۔ امیر لوگوں کو فقیر اور متوسط طبقے کے لیے ایسے فری ہسپتال بنانے چاہئیں جن میں تمام جدید طبی سہولتوں کے مطابق علاج ممکن ہو۔

۳۔ امیر طبقے کو رہائشی مکانات بنانے چاہئیں اور ان کو متوسط اور غریب لوگوں کو آسان قسطوں پر بیچ دینا چاہیے یا ان رہائشی مکانات کو سستے کرایوں پر دینا چاہیے تاکہ ان کے رہائشی مسائل حل ہوں اور ان کے لئے زندگی گزارنا آسان ہو جائے۔

۴۔ امیر طبقہ کو ایسی امدادی سوسائٹیز تشکیل دینی چاہئیں جو مستحق لوگوں کو قرضِ حسنہ فراہم کریں تاکہ ان کی معاشرتی ضروریات پوری ہوسکیں، اسی طرح ان کو چھوٹی صنعتیں قائم کرنی چاہئیں جو معاشی لحاظ سے پسماندہ غریب اور بے روزگار لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ بن جائیں۔

یہ ایسی عملی تجاویز ہیں کہ جن کے ذریعے غریب لوگوں کو امیر لوگوں کے اموال

میں شریک کیا جا سکتا ہے اور اس سے اموال صرف ایک طبقہ کے ہاتھ میں مرتکز نہیں ہوں گے بلکہ غریب لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں گی۔ یہ تمام امور اسلامی احکام کے مطابق ہیں جن سے معاشی اور معاشرتی ترقی یقینی ہے۔

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی،** محمود بن عبد اللہ حسینی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ/ ۱۸۰۲۔۱۸۵۴ء)۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ النهایه فی غریب الحدیث والاثر۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۴۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ اسد الغابه فی معرفة الصحابه۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ فضائل الصحابه۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۷۔ **احمد شرباصی،** الدکتور۔ المعجم الاقتصادی الاسلامی۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۸۔ **احمد رضا خان،** اعلیٰ حضرت امام بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)۔ کفل الفقیه الفاهم فی

أحکام قرطاس الدراھم۔ لاہور، پاکستان: منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ۔

۹۔ اسلامی نظریاتی کونسل۔ سالانہ رپورٹ (۷۸۔۱۹۷۷ء)۔ اسلام آباد، پاکستان۔

۱۰۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد (۱۹۳۸ء)۔ کلیات (فارسی)۔ لاہور پاکستان: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

۱۱۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۲۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ الأدب المفرد۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۳۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ التاریخ الکبیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۴۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۱۵۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۱۶۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ معالم التنزیل۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۷۔ بلاذری، احمد بن یحی بن جابر (م ۲۷۹ھ)۔ فتوح البلدان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۱۸۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۲۰۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۲۱۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیۃ۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۲۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ السیاسیۃ الشریعۃ فی اصلاح الراعی والرعیہ۔ لاہور، پاکستان: دار الدعوۃ الاسلامیہ۔

۲۳۔ **ثناء اللہ**، قاضی محمد عثمانی مجددی پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)۔ تفسیر المظہری۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۲۴۔ **جاحظ**، ابو عثمان عمرو بن بحر۔ کتاب البیان والتبیین۔ قاہرہ، مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۹۳۶ء۔

۲۵۔ **جرجانی**، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۶۔ **جزیری،** عبد الرحمٰن (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲۔۱۹۴۱ء)۔ **الفقه على مذاهب الأربعة۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۷۔ **جصاص،** احمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **أحكام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۲۸۔ **ابن جعد،** ابو الحسن علی بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۲۹۔ **ابو جعفر داؤدی،** احمد بن نصر مالکی۔ **کتاب الأموال۔** اسلام آباد، پاکستان: مجمع البحوث الاسلامیہ، ۱۹۹۵ء۔

۳۰۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **مناقب أمير المؤمنين عمر بن خطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۱۔ **الجوہری،** اسماعیل بن حماد (م ۳۹۳ھ)۔ **الصحاح في اللغة والعلوم۔** بیروت، لبنان: دار الحضارة العربية۔

۳۲۔ **ابو حاتم تمیمی،** محمد بن حبان بن احمد (م ۳۵۴ھ)۔ **الثقات۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۷۵ء۔

۳۳۔ **ابن ابی حاتم رازی،** ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء)۔ **الجرح والتعديل۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء۔

۳۴۔ **حاجی خلیفہ،** مصطفیٰ بن عبد اللہ حنفی (۱۰۱۷۔۱۰۶۷ھ)۔ **كشف الظنون۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۳۵۔ **حارث،** بن ابی اسامۃ/ الحافظ نور الدین الہیثمی (۱۸۶۔۲۸۳ھ)۔ **مسند الحارث (زوائد الهيثمي)۔** مدینہ منورۃ، سعودی عرب: مرکز خدمۃ السنہ

والسيرة النبويه، ١٤١٣ھ/١٩٩٢ء۔

٣٦۔ **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (٣٢١۔٤٠٥ھ/٩٣٣۔١٠١٤ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان:** دار الکتب العلمیہ، ١٤١١ھ/١٩٩٠ء۔

٣٧۔ **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (٣٢١۔٤٠٥ھ/٩٣٣۔١٠١٤ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب:** دار الباز للنشر و التوزیع۔

٣٨۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/٨٨٤۔٩٦٥ء)۔ **الصحیح۔ بیروت، لبنان:** مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٤ھ/١٩٩٣ء۔

٣٩۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید اندلسی (٣٨٤۔٤٥٦ھ/٩٩٤۔١٠٦٤ء)۔ **المحلی۔ بیروت، لبنان:** دار الآفاق الجدیدہ۔

٤٠۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید اندلسی (٣٨٤۔٤٥٦ھ/٩٩٤۔١٠٦٤ء)۔ **المحلی۔ بیروت، لبنان:** دار الفکر۔

٤١۔ **حسام الدین ہندی،** علاء الدین علی متقی (م ٩٧٥ھ)۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال۔ بیروت، لبنان:** مؤسسۃ الرسالہ، ١٣٩٩ھ/١٩٧٩ء۔

٤٢۔ **حلبی،** علی بن برہان الدین (م ١٤٠٤ھ)۔ **السیرۃ الحلبیۃ/ إنسان العیون۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ١٤٠٠ھ۔

٤٣۔ **ابو حیان،** محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی (م ٧٤٥ھ)۔ **البحر المحیط۔** قاہرہ، مصر، ١٣٢٩ھ۔

٤٤۔ **ابو حیان،** محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی (٦٥٤۔٧٥٤ھ)۔ **البحر المحیط۔ بیروت، لبنان:** دار الفکر، ١٤٠٣ھ/١٩٨٣ء۔

۴۵۔ **ابن خزیمہ،** ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۴۶۔ **خطیب تبریزی،** محمد بن عبد اللہ (م ۷۴۱ھ)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۴۷۔ **ابن خلدون،** عبد الرحمٰن (۷۳۶۔۸۰۸ھ)۔ مقدمہ کتاب العبر وديوان المبتدا والخبر فی العرب والبربر ومن عاصر ھم من ذوی التخويف من النار۔ دمشق، شام: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۴۸۔ **ابن خلکان،** شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر (م ۶۸۱ھ)۔ وفيات الأعيان۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۴۹۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۵۰۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ کتاب المراسیل۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۸ھ۔

۵۱۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ کتاب المراسیل۔ لاہور، پاکستان: مکتبة العلمیہ۔

۵۲۔ **دار قطنی،** ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۵۳۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۵۴۔ دردیر، احمد بن محمد (۱۲۰۱ھ)۔ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک۔ مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۴ھ۔

۵۵۔ دیلمی، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۵۶۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۵۷۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام. بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۸۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۵۹۔ رازی، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ التفسیر الکبیر۔ طہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۶۰۔ رازی، ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم تمیمی (۲۴۰۔۳۶۷/۸۵۴۔۹۳۸)۔ الجرح والتعدیل۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء۔

۶۱۔ راغب اصفہانی، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ المفردات الفاظ القرآن۔ دمشق، شام: دارالقلم۔

۶۲۔ راغب اصفہانی، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ المفردات الفاظ

www.MinhajBooks.com

القرآن۔ بیروت، لبنان: الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۶۳۔ **ابن راھویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبد اللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۹۹۵ء۔

۶۴۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۶۵۔ **ابن رُشد**، ابو ولید محمد بن احمد بن محمد قرطبی (م ۵۹۵ھ)۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء۔

۶۶۔ **زبیدی**، ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق مرتضی حسینی حنفی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲۔۱۷۹۱ء)۔ تاج العروس من جواھر القاموس۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۶۷۔ **زمخشری**، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ بیروت، لبنان: دارالکتاب العربی۔

۶۸۔ **زیلعی**، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۶۹۔ **زرقا**، مصطفیٰ بن احمد بن عثمان بن محمد بن عبد القادر (۱۳۲۲۔۱۴۲۰ھ)۔ المدخل الفقھی العام۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۷۰۔ **ابو زہرہ**، محمد۔ أبو حنیفہ۔ بیروت، لبنان: دارالفکرالعربی۔

۷۱۔ **ابو زہرہ**، محمد۔ بحوث فی الربا۔ دار البحوث العلمیہ، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۷۲۔ **سرخسی**، امام شمس الدین (م ۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۷۳۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ و النشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۷۴۔ **سعدی**، ابو حبیب۔ **القاموس الفقهی**۔ کراچی، پاکستان: ادارہ القرآن و العلوم الاسلامیہ۔

۷۵۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۷۶۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۷۷۔ **سلمی**، الخضراء الجیوسی۔ **الحضارة العربية الإسلاميه فى الأندلس**۔ بیروت، لبنان: مرکز دراسات الوحدة العربیہ، ۱۹۹۸ء۔

۷۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تفسیر جلالین**۔ بیروت لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۷۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح سنن ابن ماجه**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۸۰۔ **السید سابق** (۱۳۳۳۔۱۴۲۰ھ)۔ **فقه السنه**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۸۱۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفة، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۸۲۔ **شافعی،** ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۸۳۔ **شافعی،** ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۴۔ **شافعی،** امام ابوعبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس (۱۵۰۔۲۰۴ھ)۔ کتاب الأم۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء۔

۸۵۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)۔ حجۃ اللہ البالغۃ۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۸۶۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی (م ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۲ء)۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ کراچی، پاکستان: قرآن محل۔

۸۷۔ **شعرانی،** عبد الوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔ ۱۵۶۵ء)۔ کشف الغمہ عن جمیع الأمہ۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۸۸۔ **شہاب،** ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۸۹۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ فتح القدیر۔ مصر: شوکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء۔

۹۰۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۹۱۔ **ابن أبي شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۹۲۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الصغیر۔ عمان: دار عمار، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۳۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الصغیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۴۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء۔

۹۶۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۹۷۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ مسند الشامیین۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۹۸۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۹۹۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ تاریخ الأمم و الملوک۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۰۰۔ **طحاوی،** ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ

(۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۱۔ **عثمانی،** ظفر احمد (۱۳۱۰۔۱۳۹۴ھ)۔ اعلاء السنن۔ کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔

۱۰۲۔ **ابن عابدین شامی،** محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ رد المحتار علی در المختار۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۳۔ **ابن عبد البر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمھید۔ مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف و الشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۱۰۴۔ **عبد الرزاق،** ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/ ۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۰۵۔ **عبد بن حمید،** ابو محمد بن نصر کسی (م ۲۴۹ھ/ ۸۶۳ء)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۰۶۔ **بن عبد السلام،** امام عز الدین ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام السلمی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ قواعد الأحکام فی مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۰۷۔ **ابو عبید،** قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ کتاب الأموال۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۰۸۔ **عجلونی،** ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفا ومزیل الألباس۔ بیروت، لبنان:

مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۰۹۔ **ابن عربی،** ابو بکر محمد بن عبد اللہ (۴۶۸۔۵۴۳ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۱۰۔ **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تهذیب تاریخ دمشق الکبیر۔ بیروت، لبنان: دار المیسرہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۱۱۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ فتح الباری۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۱۲۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ مقدمہ فتح الباری۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ۔

۱۱۳۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تهذیب التهذیب۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۱۴۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ القول المسدود۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۱۱۵۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ لسان المیزان۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

www.MinhajBooks.com

۱۱۶۔ **عصام سالم،** الدکتور سیسالم۔ **جزر الأندلس المنسیہ۔ بیروت،** لبنان: دار القلم للملایین، ۱۹۸۴ء۔

۱۱۷۔ **علی بن ابی طالب** رضی اللہ عنہ (خطبات)۔ **نہج البلاغة۔** کراچی، پاکستان: محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء۔

۱۱۸۔ **ابو عوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند۔ بیروت،** لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۹۔ **عینی،** بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری۔ بیروت،** لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۲۰۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **کیمیائے سعادت۔** لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۱۲۱۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **الوجیز۔ بیروت،** لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۲۲۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **المستصفی من علم الأصول۔** قم، ایران: منشورات الشریف الرضی، ۳۲۴ھ۔

۱۲۳۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **الاسلام والاوضاع الاقتصادیہ۔** قاہرہ، مصر: دار الصحوہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۲۴۔ **فیروز آبادی،** ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **القاموس المحیط۔ بیروت،** لبنان: المؤسسۃ العربیہ۔

۱۲۵۔ **فیروز الدین۔ فیروز اللغات (اردو)۔** لاہور، پاکستان: فیروز سنز۔

۱۲۶۔ **قاضی خان،** فخر الدین حسن بن منصور (م ۵۹۲ھ)۔ فتاویٰ خانیہ۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بکڈ پو، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۲۷۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ (۴۷۶۔۵۴۴ھ)۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۲۸۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبداللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ المغنی فی فقه الامام أحمد بن حنبل الشیبانی۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۹۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبداللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ شرح الکبیر مع المغنی۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۳۰۔ **قرشی،** عبد اللہ بن محمد ابوبکر **ابن أبي دنیا** (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ مکارم الأخلاق۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۳۱۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ الجامع لأحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۳۲۔ **قضاعی،** ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۳۳۔ **ابن قیم،** ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ زاد المعاد فی هدیه خیر العباد۔ الکویت: مکتبۃ المنار الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء۔

۱۳۴۔ **ابن قیم،** ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ زاد المعاد فی هدیه خیر العباد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۳۵۔ **سید قطب** (۱۹۰۳۔۱۹۶۶ء)۔ فی ظلال القرآن۔ بیروت، لبنان: احیاء

التراث العربی، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء۔

۱۳۶۔ **کاسانی**، علاؤ الدین ابو بکر (م ۵۸۷ھ)۔ بدائع الصنائع۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

۱۳۷۔ **کتاب المقدس**، (انجیل: عہد نامہ قدیم و جدید)۔ لاہور، پاکستان: بائبل سوسائٹی۔

۱۳۸۔ **الکتانی**، محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸۔۱۹۶۲ء)۔ نظام الحکومة النبوية المسمى التراتيب الإدارية۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۳۹۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۰۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ البدایہ والنہایہ۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۱۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ مصباح الزجاجة فی زوائد۔ بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۴۲۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۳۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۴۔ **مالک**، ابن انس بن مالک ﷺ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ المدونة الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الفکر للطباعہ والنشر والتوزیع، ۱۹۸۰ء۔

۱۴۵۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری (۴۵۰ھ)۔ الأحکام السلطانیہ والولایات الدینیة۔ مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۴۶۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری (۴۵۰ھ)۔ نصیحة الملوک۔ بغداد، عراق: دارالحریة، ۱۹۸۶ء۔

۱۴۷۔ **محمد**، ابوعبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ کتاب الحجہ۔ لاہور، پاکستان: دار المعارف النعمانیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۴۸۔ **محمد**، ابوعبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ الموطا۔ کراچی، پاکستان: میر محمد کتب خانہ۔

۱۴۹۔ **محمد**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ کتاب الآثار۔ کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۵۰۔ **محمد بن ابی العباس**، احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی (م ۱۰۰۴ھ)۔ نہایة المحتاج إلی شرح المحتاج۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۱۔ **محمد بن ابراہیم**، موسیٰ۔ شرکة الأشخاص بین الشریعة و القانون۔ ریاض، سعودی عرب: جامعہ محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۱۵۲۔ **محمد ماہر حمادہ**۔ الوثائق السیاسیة والاداریة (العائدة للعصر العباسی)۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۵۳۔ **محمد ماہر حمادہ**۔ الوثائق السیاسیة والاداریة (العائدة للعصر الأموی)۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۵۴۔ **محمصانی،** ڈاکٹر صبحی۔ **فلسفہ شریعت الاسلام۔** لاہور، پاکستان: مجلس ترقی الادب، ۱۹۸۱ء۔

۱۵۵۔ **مرغینانی،** برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (۵۱۱۔۵۹۳ھ)۔ **الهدایه شرح بدایة المبتدی۔** مصر: شوکتہ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی۔

۱۵۶۔ **مزی،** ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذیب الکمال۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۵۷۔ **مسلم،** ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۸۔ **معمر بن راشد الأزدی** (م ۱۵۱ھ)۔ **الجامع۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۹۔ **مقدسی،** محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری حنبلی (۵۶۹۔۶۴۳ھ/۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الأحادیث المختارہ۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۶۰۔ **مناوی،** عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔** مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۶۱۔ **منذری،** ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترھیب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۶۲۔ **ابن منظور،** محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔

۷۱۱ھ/۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۶۳۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۴۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۶۵۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۶۶۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ مسند الإمام أبی حنیفہ۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۱۶۷۔ **الشیخ نظام**، و دیگر۔ الفتاوی الھندیہ۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۶۸۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۱۶۹۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی (م ۶۸۱ھ) شرح فتح القدیر۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۷۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔

۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث۔

۱۷۱۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۷۲۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ موارد الظمآن اِلیٰ زوائد ابن حبان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۳۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (م ۹۷۰ھ)۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۱۷۴۔ **یحیٰ بن آدم**، یحیٰ بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۷۵۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م۲۷۴ھ/ ۸۹۷ء)۔ التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۷۶۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المامون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۷۷۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۷۸۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔

۱۷۹۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

www.MinhajBooks.com

180- Cruden, Alexandar. *Cruden's Coplete Cordance in Old and New Testaments.*

181- David C. Colander. *Economics*. Richard D. Irwin Inc Chicago, London.

182- Dozy, Robin Hart. *Spanish Islam*

183- E. D. Domar. *Economic Growth: An Economic Approach, American Economi Review,*1952.

184- *Encyclopedia of Social Sciences*

185- *Encyclopedia Britannica*, William Benton Pb., London, 1973.

186- F. E. Perry & Others.*Dictionary of Banking*.

187- F. Livessey. Economics Bussiness Decisions. Macdonald and Evans, 1983.

188- Jihonson, *Economic*.

189- K. K. Devet, *Modern Economic Theory* Sham Lal Charitable Trust, Delhi.

190- Levine, Andrew. *Human Right & Freedom, The Philosophy of Human Rights*, ed. S. Rosenbaum. Aldwych Press, London.

191- Romesh K. S Rao. *Fundamentals of Financial Management* Macmillan Publishing Company, New Yark.

192- Seighart, Paul. *The international Law of Human Right* Clareedon Press, Oxford, 1985.

193- Twining Hardley, *Economic*.

194- V. A. Demant. *Relijion and Decline of Capitalism*

195- William C. B. Balanchfierd / Jacob Oser, *Economics.*